لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

ہمارا ملک اس تحریک کا بے چینی سے منتظر ہے جو عوام کے زخموں پر مرہم رکھے۔

ملک، ایک نئی قیادت، نئی تحریک اور نئے نظام کا بے چینی سے منتظر ہے، ایسی تحریک اور قیادت جو اس ملک کے عوام کے زخموں پر مرہم کا کام کرے، جو سراپا ہمدرد و غمگسار ہو، جو جھوٹی عزت، سستی شہرت اور منتقمانہ جذبات سے پاک و بے نیاز ہو، جس تحریک کا ایک ایک فرد، تشدد انارکی اور انتشار و بدامنی سے نفرت کرے اور امن پسندی، شفقت و بھائی چارگی اور بے غرضی و خلوص کا پیکر ہو، بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح، بگڑے ہوئے انسانوں، اور غیر تربیت یافتہ، تشدد پسند مجمع کے ذریعہ نہیں کی جاسکتی۔ بگاڑ دور کرنے کے لئے پیمبرانہ کردار و عمل، اور خدا کے مقبول بندوں کی سی صفات و خصوصیات لازمی ہے، ایسے افراد چاہے تعداد میں مٹھی بھر ہوں مگر وہی ایسا دیرپا اور خوشگوار انقلاب لا سکتے ہیں جس کے سائے میں انسانیت کا تھکا ماندہ، مضمحل و مضطرب اور پریشان و ہراساں قافلہ اطمینان و سکون کی سانس لے سکے۔

(مولانا اسحٰق جلیس ندوی مرحوم)

۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۸۰ء

سالانہ: بیس روپے

فی شمارہ: ایک روپیہ

یکم نومبر ۱۹۸۰ء سے نافذ العمل

نرخِ تعاون

اندرونِ ملک ______ بیس روپے
فی پرچہ ______ ایک روپیہ
بیرونِ ملک۔ بحری ڈاک جملہ ممالک ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ______ ۷ پونڈ
افریقی ممالک ______ ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ ______ ۱۰ پونڈ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

لکھنؤ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۱۰ نومبر ۱۹۸۰ء ___ یکم محرم الحرام ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۱

اداریہ

کاش کہ نئی صدی کے ساتھ ہم نئی زندگی کا بھی آغاز کرتے

پندرھویں صدی کا آغاز ہے، جلسے ہیں جلوس ہیں، جشن ہیں کانفرنسیں ہیں، ایسی خوشی منائی جا رہی ہے جیسے صدی کا آغاز ہوتے ہی دنیا بدل جائے گی، چاروں طرف بہار ہی بہار ہوگی اور ہم ہی ہم ہوں گے۔ اب تک تو خدا کی یہ سنت نہیں رہی ہے کہ بے کئے سب کچھ ہو جائے اور نہ اللہ و رسول کی طرف سے اس پندرہویں صدی کے متعلق ایسی کوئی پیشین گوئی ہے خدا کی سنت تو روزِ آفرینش سے اب تک یہی رہی ہے کہ خدا کے دین و پیغام کو قبول کرنے والے امتحان و آزمائش کے طوفانوں سے گذر کر ہی دین و ملت کا پرچار اور حق و صداقت کا اعلان کر سکے ہیں۔

ہم کیا کچھ جلسوں و کانفرنسوں اور خیال و گمان کی جنت میں رہ کر اس مقصدِ عظیم کو حاصل کر لیں گے۔؟

ہمیں دنیا میں کوئی انقلاب لانا ہے، دنیا کو۔ جاں بلب دنیا کو، حیات نو بخشنا ہے، اس کو ہلاکت و بربادی کے مہیب طوفانوں سے بچانا ہے، اس کی زندگی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں تیل ڈالنا ہے تو ہمیں اپنے کو بدلنا ہوگا، نمائش و مظاہر سے یکسر اجتناب اور حقائق کی دنیا میں رہنا ہوگا۔ دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے خود اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ محض کاغذی خاکوں اور پلاننگ و تمناؤں سے کبھی کوئی انقلاب نہیں آیا۔ دنیا میں نئی تبدیلی اور تغیر اسی وقت ہوا ہے جب حقائق کو مدنظر رکھا گیا ہے اس کے لئے قربانیاں دی گئی ہیں۔ زوال اسلام کا نہیں ہوا مسلمانوں کا ہوا ہے اور اس وقت ہوا ہے جب مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈالا ہے اور اس سے پہلوتہی کی ہے۔

کمزوری اسلام میں نہیں آئی کمزوری ان ہاتھوں میں آئی ہے جو اس حیات آفریں پیغام کے حامل و داعی تھے، ہمیں کچھ کرنا ہے، کوئی خوشگوار تبدیلی لانی ہے تو خود کو بدلنا ہوگا، ہمیں اپنے کو اس سانچہ میں ڈھالنا ہوگا جس کی دعوت اسلامی متقاضی ہے، ہمیں کرنا بہت دکھانا کم ہوگا۔ ہمارا مزاج یہ بن گیا ہے کہ دکھاتے زیادہ کرتے کم ہیں جن ہاتھوں نے دنیا میں انقلاب پیدا کیا ہے انھوں نے کیا سب کچھ لیکن اپنا نام فہرست میں سب سے بعد میں رکھا بلکہ فہرست سے نام ہی غائب رکھا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک مجلس میں واقعہ کے طور پر بیان کیا کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں گئے تھے وہاں ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، ہم نے چیتھڑے لپیٹ لئے اس لئے وہ غزوہ ذات رقاع کہلایا۔ یہ کہنے کے بعد ان کو ایک دم سے احساس ہوا کہ میں نے یہ کیوں کہا، کہیں میرا یہ عمل باطل نہ ہو گیا ہو، کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لوگوں نے سن لیا اور بڑا مجاہد سمجھا یہ کافی ہے، اب ہم سے کیا لینے آئے ہو۔ یہ تھا ان لوگوں کا حال جن سے اسلام چلا تھا اور جو اسلام سے چلے تھے۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ جو کچھ کریں اس کا اعلان پہلے ہو بلکہ دوسروں کے کئے کو بھی اپنے حساب میں شامل کر لیں۔ نئی صدی کے آغاز پر اگر ہم خیال و گمان کی دنیا سے نکل کر اپنا محاسبہ کریں، اپنے کئے کا جائزہ لیں پھر نپا تلا قدم اٹھائیں تب تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صدی ہمارے لئے مبارک ہوگی،

ہم اسلامی تاریخ کی ان انقلاب آفریں شخصیتوں کا مطالعہ کریں جنھوں نے وقت کے دھارے کو موڑا اور انسانیت کی ڈوبتی کشتی کو ساحل سے ہمکنار کیا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دوسروں سے مرعوب ہیں: غیر اسلامی افکار و نظریات کے غلام ہیں، ہم کو کمال و خوبیاں اپنے ہی کم غیروں میں زیادہ نظر آتی ہیں۔ اقبال نے اسی حقیقت کو آشکارا کیا ہے ؎

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق ......

ہم اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے بڑی آسانی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حالات سازگار نہیں۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام کا وجود ناسازگار حالات ہی میں ہوا ہے۔ بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا۔ (اسلام کا وجود بے کسی کے عالم میں ہوا ہے اور وہ پھر بے کسی کے عالم میں ہوگا۔

اسلام کے بے کسانہ و ساز و سامانہ وجود کے وقت جن ہاتھوں نے اس کو سارے عالم میں پھیلایا ہے اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کو حیات نو بخشی ہے، آج پھر اسلام اجنبی و نامانوس ہو گیا ہے تو انھیں ہاتھوں کی ضرورت ہے جو اسے عہد اول میں ملے تھے۔

کہنے والے نے بہت پہلے کہا تھا کہ، لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما أصلح اولھا۔ (اس امت کے آخری حصہ کو وہی چیز درست کر سکتی ہے جس نے اسکے پہلے حصہ کو درست کیا۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہم نے چودہویں صدی کے اواخر میں بہت سے اسلامی ملکوں کو جو سامراجیوں کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے آزاد کرا لیا مگر ذہنی اور فکری اعتبار سے

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ ۲۰ روپے ارسال فرمایئے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی۔ ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ بذریعہ وی۔ پی۔ بلا خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی۔ سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبرِ خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنّت سے

بدستِ خود رزق حاصل کرنے اور کام کرنے کی فضیلت

(گذشتہ سے پیوستہ)

مولانا سید عبد الحئی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارِ خلافت سنبھالا تو فرمایا، ہماری قوم کو معلوم ہے کہ میرے پیشہ کی آمدنی میرے اہل و عیال کے نان نفقہ کے لئے ناکافی نہیں تھی، اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں، لہٰذا اب ابوبکر کے متعلقین اس سرکاری مال سے کھائیں گے۔ (بخاری)

حضرت براء ابن عازب اور زید ابن ارقم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ تجارت کرتے تھے۔ ہم لوگوں نے آپ سے بیع صرف کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اگر نقدا نقد ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اگر ادھار ہو تو درست نہیں۔ (بخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو حاضر کیا جس کو مال عطا کیا تھا، پھر اس سے پوچھا کہ دنیا میں تم نے کیا کیا؟ فرمایا " ولا یکتمون اللہ حدیثا " (وہ اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپائیں گے) بندہ نے کہا میرے آقا! آپ نے مجھے اپنا مال عطا فرمایا۔ میں لوگوں سے لین دین کرتا تھا، اور میرا معمول درگذر کا تھا، مالدار کو سہولت بہم پہنچاتا اور تنگدست کو مہلت دیتا، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب سن کر فرمایا، میں درگذر کا زیادہ حق رکھتا ہوں، میرے اس بندے کو چھوڑ دو۔ (یہ سن کر) حضرت عقبہ بن عامر اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما نے فرمایا، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ایسے ہی سنا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ایک ڈھیر پر گذرے، آپ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل فرمایا تو انگلیاں تر ہو گئیں آپ نے غلہ فروش سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، اللہ کے نبی یہ بھیگ گیا ہے، آپ نے فرمایا، تو تم نے اس کو غلہ کے اوپر کیوں نہیں کیا کہ لوگ دیکھ لیتے جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ (مسلم)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرید و فروخت کرنے والے دونوں ہی کو اس وقت تک (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک اس مجلس سے ہٹے نہ ہوں، اگر لین دین کرنے والے دونوں نے سچا معاملہ کیا اور (ہر چیز) کھول کر بیان کر دیا تو ان دونوں کے خرید و فروخت میں برکت ہوگی اور اگر (عیب کو) چھپایا اور جھوٹ بولے تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں کچھ فائدہ اٹھالیں اور اس کی برکت کو مٹا دیں۔ (متفق علیہ)

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تاجر قیامت کے دن بدکردار اٹھائے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا، اچھا معاملہ کیا اور سچ بولے۔ (ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جو بھی مسلمان باغ لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے پھر اس میں سے کوئی چڑیا یا انسان کھاتا ہے تو اس پر اس کو صدقہ کا اجر ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے غلہ یا پھل کی پیداوار کا آدھے آدھ کا معاملہ کیا، آپ ازواج مطہرات کو سو وسق عنایت فرماتے تھے، اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر کا حصہ لگایا تو ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ ان کو پانی اور زمین کا حصہ لگا دیں یا سابقہ حصہ باقی رہنے دیں۔ بعض ازواج مطہرات نے تو زمین کو لینا پسند کیا اور بعض نے وسق کو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زمین کو منتخب فرمایا تھا۔ (بخاری)

حضرت عمرو بن دینار مکی فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے کہا کہ آپ بٹائی کو ختم کر دیتے تو بہتر تھا، لوگوں کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹائی سے روکا تھا۔ حضرت طاؤس نے فرمایا: عمرو! میں ان کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ واقف یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بھائی کو دے دے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس سے مقدار متعین کر دے۔ (بخاری)

بقیہ صفحہ ۳: اداریہ

تمدن و تہذیب کے اعتبار سے ہم آج بھی غلام ہیں اور غلامی کی یہ زنجیر اور مضبوط ہوتی جا رہی ہے، ہم جب تک اس ذہنی و فکری غلامی سے آزاد نہیں ہوں گے اسلامی قدریں پامال رہیں گی اور ہمارے کاغذی و زبانی دعوے اور حد سے بڑھی ہوئی خوش گمانی، سب سرابِ صحرا اور حبابِ دریا ہو کر رہ جائیں گے ہمیں کچھ کرنا ہے تو خود کو بدلنا ہوگا، صدی کے مبارک و نامبارک ہونے کا انحصار ہمارے اعمال و کردار پر ہے ہم بدلیں گے تو صدی بدلے گی اور مبارک ہوگی، خالقِ کائنات کا یہی دستور ہے۔

" ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم "

(اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے)

ہمیں اپنے اندر وہ صفات پیدا کرنی ہوں گی جن کو سن کر شاہ چین نے یزدگرد کو یہ جواب دیا تھا کہ . . . اگر میں چاہوں تو آپ کی مدد کے لئے ایسا زبردست لشکر بھیجوں جس کا ایک سرا آپ کے ملک "مرو" میں ہو اور دوسرا سرا چین میں۔ مگر آپ کے قاصد نے مسلمانوں کے جو حالات بیان کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کے سامنے پہاڑ بھی ہیچ ہیں، اگر ان کو راستہ ملجائے تو ان اوصاف کے ہوتے ہوئے جو آپ کے قاصد نے بیان کئے ہیں یہ لوگ ہمارا بھی تخت و تاج چھین لیں گے۔ یہ صورت حال لشکر بھیجنے سے مانع ہے، آپ ان سے صلح کر لیں اسکے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اس پندرہویں صدی کے لئے وہی سرودِ ازلی ہے جس سے قرنِ اول کے مسلمانوں کے کان آشنا ہوئے۔

" وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ط ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین ہ من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شھیدًا علیکم وتکونوا شھداء علی الناس ج فاقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ ھو مولٰکم ج فنعم المولیٰ ونعم النصیر ہ

(اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں شاہد ہو، اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے)۔

ملک کی طاقت کا حقیقی سرچشمہ اور اس کا سب سے بڑا سہارا ایسے حق گو انسانوں کا وجود ہے جو ظلم کو ظلم اور ناانصافی کو ناانصافی کہہ سکتے ہیں

۲۶، ۲۷ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو بارہ دری قیصر باغ لکھنؤ میں ہونے والی پیام انسانیت کانفرنس کے خطبۂ صدارت میں تحریک کے بانی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ملک وملت کی بگڑتی ہوئی صورت حال اخلاقی وسماجی گراوٹ وخود غرضی، انسانیت کی تباہی وبربادی اور شرافت و انسان دوستی کے فقدان اور اخلاقی انارکی کا سراپا پیش کردیا ہے جو ہر صاحب ضمیر ودردمند دل رکھنے والے انسان کے لئے خطرہ کی گھنٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ ادارہ تعمیر حیات اس خطبۂ صدارت کو ہدیۂ ناظرین کرتا ہے امید ہے کہ دل کی زبان سے پڑھا جائے گا اور دوسروں کو پڑھایا جائے گا کہ ملک کی موجودہ صورتحال میں یہ ملک کی سب سے بڑی خدمت ہے

حضرات! انسانیت کے حال ومستقبل اور سارے تمدنی، معاشی، سیاسی حتیٰ کہ اخلاقی اور مذہبی مسائل کا انحصار، اور تمام فلسفوں وافکار ونظریات کا دار ومدار تمام تر اس پر ہے کہ انسان موجود اور محفوظ ہے، اس کو اپنی زندگی کی طرف سے اطمینان، انسانی زندگی کی قدر وقیمت کا احساس اور اس کے تقدس پر غیر متزلزل عقیدہ ہے، اس عقیدہ نے کہ انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصود اور اس کائنات کا سب سے بیش قیمت وجود ہے اور اس کے اندر بہتر سے بہتر بننے کی بہترین صلاحیت ہے۔ دنیا کے ذہین ترین، شریف ترین اور لائق ترین انسانوں کو انسانوں پر محنت صرف کرنے پر آمادہ کیا اور انھوں نے ان کی ذہنی صلاحیتوں اور ان کے ذہن ودماغ کے سوتوں کو چھیڑا اور وہ تمام اصلاحی، تعمیری، تخلیقی، علمی، ادبی، تمدنی اور روحانی شاہکار وجود میں آئے جن پر قدیم وجدید دنیا کو فخر ہے، تاریخ کے قدیم ترین دور سے لے کر ہمارے زمانہ تک جس چیز نے انسانیت کی شمع مسلسل طور پر روشن رکھی، وہ خدا کی یہ نعمت ہے کہ اچھے انسان انسان سے مایوس نہیں ہوئے، انھوں نے اس کو ناقابل علاج مریض اور ناقابل اصلاح حیوان نہیں سمجھا، وہ کبھی اس کے وجود سے ایسے متنفر نہیں ہوئے کہ اس کی صورت دیکھنے تک کے روادار نہ ہوں، انھوں نے کبھی اس کے زندہ رہنے کے استحقاق کا انکار نہیں کیا، انسانیت کا چراغ بے تیل بتی کے جل سکتا ہے، وہ باد صرصر کے جھونکوں میں اور طوفان کے تھپیڑوں میں فروزاں رہ سکتا ہے، اور انسانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمت والوں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں نے برسوں بے تیل بتی کے انسانیت کا چراغ روشن رکھا، انھوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور مسلسل فاقہ کرکے جنگلوں اور بیابانوں، کڑاکے کے جاڑوں کی راتوں اور تپتی ہوئی دوپہریوں میں انسانیت کی خدمت کی، ان میں سے کوئی چیز ان کی ہمت توڑنے اور ان کو ان کے مقدس کام سے روکنے کے لئے کافی نہ تھی، ان کی غیر مختتم قوت مقابلہ کا راز، ان کی حیرت انگیز قوت عمل کی بنیاد یہ تھی کہ وہ انسان کو دست قدرت کا شاہکار سمجھتے تھے، ان کو انسان کی فطرت سلیم پر یقین واعتماد تھا، ان کو یقین تھا کہ انسان کے لئے برائی عارضی اور بھلائی اصلی اور فطری ہے، ان کو یقین تھا کہ وہ انسان پر جو محنت کریں گے، وہ کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی، ان کے عقیدہ میں اس باغ کی ہر کلی کو کھلنا اور حسین بننا چاہیے، عالم انسانی میں کوئی چیز اس سے زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز نہیں کہ انسان، انسان سے ناامید ہو جائے۔

اور اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ اس نفرت ویاس کے جنون میں بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں پر دست درازی کرے اور غنچوں کو کھلنے اور مسکرانے سے پہلے ہی مسل کر رکھ دے، تعلیم وتربیت ہو یا اصلاح وترقی، معاشی خوشحالی ہو یا سیاسی استحکام، یہ نشیمن جس شاخ پر قائم ہے اور ہمیشہ جس شاخ پر قائم رہے گا وہ انسانی زندگی کے تحفظ اور امن وامان کی فضا ہے اس لئے نشیمن کی تعمیر وتزئین کے منصوبوں اور اس کی ترتیب وتنظیم کی بحثوں سے پہلے اس شاخ کی حفاظت ضروری ہے۔

بے گناہ، کمزور، بے بس اور نہتے انسانوں، عورتوں اور بچوں پر ظلم اور دست درازی، خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں، اور خواہ یہ اقدام کسی صحیح یا غلط اشتعال کی بنا پر، یا انتقامی جذبہ کے ماتحت ہو، وہ عمل ہے جس نے بڑے بڑے طاقتور ترقی یافتہ وسیع اور زرخیز ملکوں اور سلطنتوں کو بے چراغ اور تاراج کردیا ہے، اور تاریخ میں صرف ان کا نام باقی رہ گیا ہے، خدا کے وجود کے بعد جس حقیقت پر تمام مذاہب، فرقوں اور مکاتب خیال کا اتفاق ہے، وہ یہ ہے کہ ظلم (خواہ کسی سے سرزد ہو) بڑا گناہ (مہا پاپ) اور ملکوں اور قوموں کے حق میں سم قاتل ہے اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر نکل کر رہتا ہے اور اس کی موجودگی میں کوئی ملک یا قوم (خواہ اس کے پاس کیسے ہی قدرتی وسائل، جنگی طاقت، عددی کثرت، شاندار تاریخ اور علم وادب اور فلسفہ کے خزانے ہوں) پھل پھول نہیں سکتی، مجھے اجازت دیجئے کہ اس موقعہ پر میں اردو کا وہ سیدھا سادہ شعر پڑھوں جو بچپن میں ہمیں یاد کرایا جاتا تھا، اور ہماری تختیوں اور کاپیوں پر لکھا جاتا تھا، اور وہ اپنی سادگی کے باوجود اب بھی اس قابل ہے کہ ایوان حکومت اور قصر عدالت سے لے کر لوح دل تک پر لکھا جائے۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

اس لئے ہر زمانہ میں ملک کے سچے بہی خواہوں، اور صاحب ضمیر اور دانشور انسانوں نے جن کی خدا کے بے لاگ قانون اور تاریخ انسانی کے مسلسل تجربوں اور متواتر شہادتوں پر نظر تھی، اپنے ملک اور معاشرہ کے لئے ہر اندرونی اور بیرونی خطرہ سے بڑھ کر اس کو خطرہ سمجھا اور اپنے ملک کے اندر ظلم کرنے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، ظلم سے روکنے اور ظلم کی آگ نہ پھیلنے دینے کے لئے انھوں نے اپنی جان کی بازی لگادی اور اس کو ملک کی سب سے بڑی خدمت اور حقیقی حب الوطنی قرار دیا اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ اندر کا ظلم وزیادتی باہر والوں کے ظلم وزیادتی اور ان کی ظالمانہ حکومت سے زیادہ ملک کے حق میں تباہ کن اور خطرناک ہے، بیرونی ظلم کی صورت میں ملک اور قوم مظلوم ہوتی ہے، خدا کی مدد، اچھے انسانوں کی دعائیں، اور مظلوموں کی آہیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں، اور اندرونی ظلم کی صورت میں وہ ملک خدا کی مدد سے محروم اور خود مظلوم کی آہوں اور دکھے دلوں کی کراہوں کا نشانہ بنتا ہے جن کی تاثیر پر تمام مذاہب، اخلاقی فلسفوں، اور صحت مند وصالح ادب وشاعری کا اتفاق ہے اور جنھوں نے کبھی کبھی (بلا امتیاز مذہب وملت) صدیوں کی وسیع اور مستحکم سلطنتوں کا چراغ گل کردیا اور ان تہذیبوں اور تمدنوں کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سُلا دیا، جن کا کسی زمانہ میں دنیا میں ڈنکا بجتا تھا اور جس کی مثالیں اس مادی اور مشینی دور میں بھی خاندانوں اور محلوں، برادریوں اور بستیوں کے محدود دائرے میں اب بھی علم میں آتی رہتی ہیں اور خدا کی یہ لاٹھی جس میں آواز نہیں، حقیقت بیں نگاہوں کو اب بھی دنیا کی ان بڑی طاقتوں کے جاہ وجلال کے مرکزوں میں بھی اپنا کام کرتی ہوئی نظر آجاتی ہے جو اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتے۔

حاضرین کرام! ملک کی طاقت کا حقیقی سرچشمہ اور جینے اور پھلنے پھولنے کے لئے اس کا سب سے بڑا سہارا ایسے حق گو اور بے لاگ انسانوں کا وجود ہے جو بڑے سے بڑے نازک اور جذباتی موقعہ پر ظلم کو ظلم، ناانصافی کو ناانصافی اور غلطی کو غلطی کہہ سکتے ہیں، اگر آپ واقعی کسی قوم کی بیداری اور اس کی زندگی کی صلاحیتوں کو جانچنا چاہتے ہیں اور یہ اندازہ

کرنا چاہتے ہیں کہ وہ قوم یا ملک انسانیت اور اخلاق، اور علم وفن کی امانت کی حفاظت کی کہاں تک اہل ہے، تو یہ دیکھئے کہ اس میں کتنے ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو تنقید کے موقعہ پر اپنے پرائے کی تمیز نہ کرتے ہوں، جو صریح غلطی کے موقع پر بڑی سے بڑی اکثریت اور بڑی سے بڑی طاقتور حکومت کو برملا ٹوک دیتے ہوں، جو مظلوموں اور کمزوروں کے لئے سینہ سپر بن جاتے ہوں اور بگڑے ہوئے حالات میں عیش کے ایوانوں کو چھوڑ کر دیوانوں کی طرح پھرنے لگتے ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرتے ہوں، جن کو آئندہ کے فوائد، اور وقت کے مصالح سچی بات کہنے سے باز نہ رکھتے ہوں، جو حق کی حمایت اور اعلان میں اپنی قوم کا معتوب بننے کو اپنی قوم کا محبوب بننے پر ہزار بار ترجیح دیتے ہوں، جب سارے ملک میں زیادتی، حق تلفی، جانب داری اور مصلحت پرستی کی ہوا چل رہی ہو، تو وہ اپنا کھانا پینا بھول جائیں اور حالات کو درست کرنے کے لئے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھیں، جو وقت کے مسئلہ کے سامنے تمام مسائل کو بالائے طاق رکھ دیں، ہر طرح کے اختلافات کو بھلادیں۔ بلا تمیز قومیت وملت انسانی جان وآبرو کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگادیں، اگر ایسے افراد اس قوم کی تعداد کے مناسب اور ضرورت کے مطابق پائے جاتے ہیں تو اس قوم اور اس کے مستقبل کی طرف سے مایوس وہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، اس کی ہر پریشانی دور ہو جائے گی، ہر کمی پوری ہو جائیگی، پتھر موم اور دشمن دوست بن جائیں گے، اس کی اخلاقی برتری کا ساری دنیا میں آوازہ بلند ہوگا، اس کے ملک میں خوشحالی، سرسبزی اور شادابی، محبت والفت کا دور آکر رہے گا، اس کی بین الاقوامی حیثیت اچانک بلند ہو جائیگی، قومیں، اور ممالک نازک حالات میں اور بہتالاتوں کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اس کی مدد کے طالب ہوں گے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ ہمارے اس ملک نے ہر دور میں حق کی حمایت کرنے والے، مظلوم کا ساتھ دینے والے، ظالم کا گریبان پکڑ لینے والے اور اس کا ہاتھ روک دینے والے عالم ومصلح اور روحانی لوگ پیدا کئے، یہاں کی سرزمین نے ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی مسیحی میں بیرحم وحشی تاتاریوں اور جہاں سوز چنگیز خاں اور ہلاکو کے ستائے ہوئے اور ان کے وحشیانہ حملوں سے سہمے ہوئے، لٹے پٹے انسانی قافلوں کو پناہ دی اور پھر وہ ہمیشہ اس ملک میں امن وامان کے ساتھ رہے، اور انھوں نے یہاں سکون واطمینان بلکہ خود اعتمادی اور عزت وسربلندی کے احساس کے ساتھ (جو انسانی ذہانتوں اور علم وفن کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے سب سے بڑی محرک طاقت ہے) اپنی ذہنی صلاحیت کار، ایجاد واختراع ذوق جمال، رعنائی خیال اور حسن تعمیر اور انسانی جینیس (GENIUS) کے وہ نمونے پیدا کئے اور علم وفن اور ادب وشاعری کے وہ گل کھلائے جن سے صرف ہندوستان ہی نہیں وسط ایشیا کا پورا علاقہ اور مغربی ایشیا اور مشرق وسطی کے ممالک مہک اٹھے اور انھوں نے اسلامی علوم وفنون اور عربی زبان وادب میں بھی اس نئی نسل کا لوہا مان لیا جو ترکستان اور ایران، عرب وعجم اور ہندوستان کی بہترین خصوصیات کی حامل تھی اور جس کے کارناموں سے اب بھی دنیا کے ایک بڑے حصہ میں ہندوستان کا نام روشن ہے اور وہاں کے علمی وادبی حلقوں میں وہ اس کے تعارف کا ذریعہ اور اس کی عزت واحترام کا باعث ہے۔

آخر میں ۱۹۴۸ء میں گاندھی جی نے اس ظلم وبربریت کو روکنے اور تمام فرقوں کو ملک میں امن واعتماد کے ساتھ رہنے کے مقصد کے لئے اپنی قیمتی جان دے دی۔ ہندوستان کسی دور میں بھی ایسے انسان دوست، حق گو، جری اور جانباز لوگوں سے خالی نہیں رہا جو ظلم وبدی کو روکنے کے لئے سینہ سپر ہو جاتے تھے اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دیتے تھے، ملک کی تقسیم کے فیصلے سے کچھ پہلے سے ہمارے ملک میں فرقہ وارانہ منافرت اور وحشیانہ قتل وغارت گری کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا اور تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد یہاں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے ان موقعوں پر ملک کے متعدد دانشوروں، عالموں، اور سیاسی رہنماؤں نے اپنی اندرونی کرب وبے چینی کا اظہار کیا اور بے باکانہ طریقہ پر اس رجحان کی مذمت کی اور اپنے اپنے انداز بیان اور لب ولہجہ میں اس کے خلاف اظہار خیال کیا، آج بھی اگر آپ ان کے بیانات کو پڑھیں تو آپ کو لفظوں کی صورت میں خون کے آنسو، اور سطروں اور پیراگراف کی شکل میں دل وجگر کے ٹکڑے نظر آئیں گے، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس موقع پر ملک کی چوٹی کی تین شخصیتوں کی تقریروں اور تحریروں کے تین اقتباسات آپ کے سامنے پیش کروں اس لئے کہ میں کتنی ہی کوشش کروں ان سے بہتر لفظوں میں آج کی صورت حال کی مصوری اور عکاسی نہیں کرسکتا، جس سے محب وطن کو بے چین ہونا چاہیے، یہ ہندوستان کے روشن دماغ اور بیدار ضمیر کی آواز اور اس کے دکھے دل کی پکار ہے جو وقت پر بلند ہوئی، اس کو کوئی انشا پرداز ومورخ، خواہ وہ اپنی تحقیقی وتصنیفی سرگرمیوں کے لئے کتنا ہی مشہور ہو اور تحریر وانشا کے میدان کا کتنا وسیع تجربہ رکھتا ہو اس سے بہتر طریقہ پر ان احساسات اور جذبات کو پیش نہیں کرسکتا۔

میں پہلا اقتباس مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے (جو بعد میں ہمارے ملک کے صدر جمہوریہ ہوئے) اس خطبہ استقبالیہ کا پیش کروں گا جو انھوں نے شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) کی حیثیت سے ۷ر نومبر ۱۹۴۶ء کو جامعہ اسلامیہ دہلی کی سلور جبلی میں پڑھا تھا۔ مجھے وہ منظر ابھی تک یاد ہے کہ کرسی صدارت پر ہز ہائنس نواب سر حمید اللہ خاں (نواب صاحب بھوپال) رونق افروز ہیں۔ سامنے کی قطار میں ایک طرف اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، وزیر تعلیم اور صدر کانگریس مولانا آزاد، ارکان کابینہ سردار پٹیل، مسٹر راج گوپال اچاریہ اور سید آصف علی بیٹھے ہیں، سامنے کی صف میں مسٹر جناح اور عبوری حکومت کے دوسرے مسلم وزراء، نواب زادہ لیاقت علی خاں، سردار عبد الرب نشتر اور نواب غضنفر علی خاں موجود ہیں۔ ڈائس کی پچھلی صفوں میں ہندوستان کے چوٹی کے دانشور، عالم وادیب، ماہر تعلیم اور سوشل ورکر تشریف رکھتے ہیں۔ وقت وہ تھا کہ دہلی میں فرقہ وارانہ فساد بھڑک چکا تھا اور جا فوزی کی کچھ وارداتیں پیش آچکی تھیں، پانچ بجے شام سے صبح کے سات بجے تک کرفیو تھا، باہر سے آنے والے معزز مہمان بھی بڑی حفاظت اور احتیاط کے ساتھ اپنی قیام گاہ پہونچائے گئے، اس صورت حال کی فریاد کا اس سے بہتر موقعہ نہ تھا کہ ہندوستان کے چوٹی کے دانشور عالم وفاضل، جنگ آزادی کے سالار وسپاہی موجود تھے جو اب ہندوستان کی قسمت کے مالک اور امن وامان کے ذمہ دار بھی تھے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:۔

"آپ سب صاحبان آسمان سیاست کے تارے ہیں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں آدمیوں کے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے، آپ کی یہاں کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں تعلیمی کام کرنے والوں کی طرف سے بڑے ہی دکھ کے ساتھ چند لفظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آج ملک میں باہمی منافرت کی جو آگ بھڑک رہی ہے اس میں ہمارا چمن بندی کا کام دیوانہ پن معلوم ہوتا ہے، یہ آگ شرافت اور انسانیت کی سرزمین کو جھلسے دیتی ہے اس میں نیک اور متوازن شخصیتوں کے تازہ پھول کیسے پیدا ہوں گے؟ حیوانوں سے بھی پست تر سطح اخلاق پر ہم انسانی اخلاق کو کیسے سنوار سکیں گے؟ اس کے لئے خدمت گزار کیسے پیدا کرسکیں گے؟ جانوروں کی دنیا میں انسانیت کو کیسے سنبھال سکیں گے؟ یہ لفظ شاید کچھ سخت معلوم ہوتے ہوں، لیکن ان حالات کے لئے جو روز بروز ہمارے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اس سے سخت لفظ بھی بہت نرم ہوتے، ہم جو اپنے کام کے تقاضوں سے بچوں کا احترام کرنا سیکھتے ہیں، آپ کو کیا بتائیں کہ ہم پر کیا گزرتی ہے جب ہم سنتے ہیں کہ بہیمیت کے اس بحران میں معصوم بچے بھی محفوظ نہیں ہیں، شاعر ہندی نے کہا تھا کہ ہر بچہ جو دنیا میں آتا ہے اپنے ساتھ یہ پیام لاتا ہے کہ خدا ابھی انسان سے پوری طرح مایوس نہیں ہوا" مگر کیا ہمارے دیس کا انسان اپنے سے اتنا مایوس ہو چکا ہے کہ ان معصوم کلیوں کو بھی کھلنے سے پہلے ہی مسل دینا چاہتا ہے؟ خدا کے لئے سر جوڑ کر بیٹھئے اور اس آگ کو بجھائیے، یہ وقت اس کی تحقیق کا نہیں کہ آگ کس نے لگائی، کیسے لگی، آگ لگی ہوئی ہے اسے بجھائیے، یہ مسئلہ اس قوم اور اس قوم کے زندہ رہنے کا نہیں ہے، مہذب انسانی زندگی اور وحشیانہ درندگی میں انتخاب کا ہے خدا کے لئے اس ملک میں مہذب زندگی کی بنیادوں کو یوں کھدنے نہ دیجئے۔"

دوسرا اقتباس ملک کے عظیم قائد اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی اس تقریر کا ہے جو انھوں

نے جون ۶۱ء کی کسی ابتدائی تاریخ میں بھوپال میں کی تھی، اس وقت جبل پور اور بعض دوسرے شہروں میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے اور ان سے پوری دنیا میں ملک کی ساکھ اور اس کے سیکولر کردار کو دھکا لگا تھا، انھوں نے اس تقریر میں فرمایا:

"مجھے بڑا دکھ ہے کہ فسادات کے دوران ایک کانگریسی کے بھی خراش تک نہیں آئی، وہ عام طور پر جرأت و بہادری سے حالات کا مقابلہ نہ کر سکے اور پردہ نشین عورتوں کی طرح گھروں میں چھپے رہے، ہمارے ملک کو کسی بھی بیرونی طاقت سے کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا، مگر اس کی داخلی کمزوری اس کے لئے ہلاکت آفریں ثابت ہو سکتی ہے۔

کانگریس کے اندر جو بزدل لوگ ہیں وہ سب سے زیادہ نقصان پہونچا سکتے ہیں، ان المناک واقعات کی ذمہ داری اکثریت پر عائد ہوتی ہے، یہ کہنا سفید جھوٹ ہے کہ اقلیت فسادات کی ذمہ دار ہے، یہ کہنا بھی ایک غلط بیانی اور انتہائی کمینگی ہے کہ جبل پور میں ہندوؤں نے جو کچھ کیا وہ اپنی حفاظت کے لئے کیا، وہاں جو کچھ ہوا وہ فرقہ پرستوں کی پہلی ہی سے کی ہوئی سازشوں کا نتیجہ تھا جو اطلاعات ملی ہیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ ان فسادات میں سب سے پہلے نقصان مسلمانوں کو پہونچا ہے، میں نہیں سوچ سکتا کہ مصیبت زدہ جارح اور حملہ آور بھی ہو سکتا ہے۔

جبل پور یا دوسرے شہروں میں جو کچھ ہوا وہ محدود واقعہ نہیں ہے، ان واقعات سے پورا ملک متاثر ہوتا ہے۔ بارہ برس کے بعد بھی اس قسم کے فرقہ وارانہ فسادات کا برپا ہونا ایک خطرناک رجحان ہے جس کی وجہ سے ملک کی ترقی رک جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔

یہ اکثریت کا فرض ہے کہ وہ اقلیت کے مفادات اور حقوق کی حفاظت و نگہداشت کرے، اقلیتوں کے دبانے اور کچلنے سے سماج میں پسماندگی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے اور یہ بات کسی قیمت پر گوارہ نہیں کی جا سکتی۔"

تیسرا اقتباس جے پرکاش نرائن جی کے اس تاریخی خط کا ہے جو انھوں نے جمشید پور راؤرکیلا کے فسادات (مارچ ۱۹۶۴ء) کے بعد ہندوستانی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) کے صدر اور سیاسی جماعتوں کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں وہ فرماتے ہیں:-

"جہاں تک مظالم کا تعلق ہے میرے خیال میں کوئی حد باقی نہیں رہی، ہر نفرت انگیز اور شرمناک حرکت کی گئی، عام طور پر جو کچھ ہوا وہی عبرتناک تھا، لیکن بعض معاملوں میں تو بے رحمی اور گراوٹ کا اندازہ کرنا محال ہے، ایسی ایسی ہیبتناک باتیں کی گئی ہیں، جن کے بارے میں دہلی یا ملک کو قطعی علم نہیں ہے کہ کس پیمانہ پر کیا ہوا۔"

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:-

"مجھے کامل یقین ہے کہ ان بزدلانہ سرگرمیوں کو ایک مشترکہ مرکز سے منظم کیا گیا، افواہوں کے گڑھنے، ان کو پھیلانے، مالی امداد کے ساتھ منظم اقدام کرنے کی خاطر سارے ہنگامہ کے لئے ایک سیاسی اور فلسفیانہ جواز فراہم کیا گیا . . . . یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تعلیم درندگی اور مجرمانہ حرکتوں کی طرف میلان کا تدارک نہیں، اور یہ بھی کہ حکومت کی انتظامی مشینری کس قدر ناکافی اور نااہل ہے۔"

اسی خط میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"حکومت اور ملک کے دوسرے حلقوں اور جماعتوں کی طرف سے ان فسادات کی لرزہ خیز نوعیت پر پردہ ڈالنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے وہ خود ملک کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر عوام کو اس بات سے تاریکی میں رکھا گیا کہ ملک کے اندر کیا ہو رہا ہے، تو وہ ذہنی طور پر اس انقلابی علاج کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے، جو شاید ضروری بات ہو۔"

صاحبو اور دوستو! ہمارا یقین ہے کہ اب بھی اس ملک میں ایسے صاف ذہن، دردمند دل اور بیدار ضمیر کے انسان پائے جاتے ہیں۔ جن کے دل و درد کی ترجمانی ان تینوں اقتباسات میں بڑی کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں شانتی سینا کے رہنما شری بابا کرشنا چودھری (سابق وزیر اعلیٰ اڑیسہ) شری من موہن چودھری اور بابو اگم پرشاد ورما کو بھلایا نہیں جا سکتا جنھوں نے مارچ ۱۹۶۴ء کے فسادات میں کئی بار اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر مظلوموں اور بے بس انسانوں کی جان بچانے کی کوشش کی اور جنھوں نے اس موقع پر وہ کتاب شائع کی جس کا نام تھا "میں خاموش نہیں رہ سکتا"، اور ایسے کثیر التعداد شریف اور دلیر انسانوں کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے اپنا فرض ادا کیا۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ عام طور پر جو لوگ اس صورت حال میں کچھ کرنے کے لئے بھی کھڑے ہوتے ہیں، وہ اپنے فرقہ یا جماعت کی اصلاح و تربیت کے پُرمشقت اور محنت طلب کام کو چھوڑ کر دوسرے فرقے اور جماعت کو وعظ و نصیحت، اس کو اخلاقی و علمی درس دینے اور کسی دوسرے گروہ یا عنصر پر واقعات کی ذمہ داری عائد کرنے کے آسان کام کو اختیار کر لیتے ہیں، قوموں کی جلاء ذہنی تعمیر و تشکیل، مختلف عناصر میں دیانتدارانہ اور مساویانہ طریقہ پر ہم آہنگی پیدا کرنے اور ملک کو اس خطرے سے بچا لینے کے لئے جو ننگی تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹک رہا ہے۔ فرہاد کا جگر اور قیس کا جنون چاہیئے، حیرت اور اس سے زیادہ حسرت کی بات ہے کہ اپنے ساتھیوں کا بے لاگ اخلاقی محاسبہ کرنے اور تمام مصلحتوں اور خطروں سے بے نیاز ہو کر طاقت اور اکثریت کے منہ پر، کلمہ حق کہنے والے افراد بہت کم نظر آتے ہیں، اور یہ کسی ملک کا سب سے بڑا خلا اور خطرہ کی نشانی ہے۔ خاص طور پر موجودہ حالات اتنے غیر معمولی، اتنے تشویشناک، اور اتنے مہیب ہیں کہ اب معمولی اخلاقی اپیلوں یا حکومتی انتظامات سے کام نہیں چل سکتا اس کے لئے تو ملک کے ضمیر کو جھنجھوڑنے، اس کی روح کو چیخ کر پکارنے، اور انسانی شرم و حیا، انسانیت دوستی، اور خوف خدا کے آخری رمق سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ جس سے یقیناً ابھی تک اس قدیم مذہبی ملک اور یہاں کا نرم اور پریمی دل خالی نہیں ہوا ہے، اس کے لئے چند آدمیوں کو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلنے کی ضرورت ہو گی، اس کے لئے کچھ مدت کے لئے اپنے تمام کاموں کو ملتوی اور بالائے طاق رکھنے کی ضرورت ہو گی۔ حالیہ واقعات نے جن کی ابتدا، مرادآباد کے عید کے واقعہ سے ہوئی۔ یہ ثابت کر دیا ہے کہ ابھی اس ملک میں اس سلسلہ میں کوئی ٹھوس گہری پائیدار اور قابل اعتبار تبدیلی نہیں آئی۔ یہاں انسان کا احترام ابھی پورے طور پر پایا نہیں جاتا۔ یہاں انسانی جان کی قیمت پورے طور پر نہیں سمجھی گئی۔ ایک جھوٹا سچا نعرہ ہزاروں انسانوں کو پاگل بنا سکتا ہے۔ ایک صحیح یا مبالغہ آمیز روایت ہزاروں انسانوں کو ردعمل اور انتقام پر آمادہ کر سکتی ہے، کسی اخبار یا کسی آتش بیان مقرر کی تقریر اچھے اچھے سمجھدار انسانوں کے دماغی توازن کو درہم برہم کر سکتی ہے اور اس کے نتیجہ میں بستیاں لوٹی جا سکتی ہیں، محلے کے محلے ملبوں میں تبدیل کئے جا سکتے ہیں۔ برسوں کے تعلقات پر دم کے دم میں پانی پھر سکتا ہے اور ایک جگہ کے سینکڑوں برس کے ہمسایوں کا خون پانی کی طرح بہایا جا سکتا ہے، اس حالت میں اس ملک میں کسی تعمیری، فکری کام کی گنجائش نہیں، اور اس کے لئے نئے نئے مصائب اور مسائل کا سامنا کرنا ضروری ہے، میں نے ملک کے تین دانشوروں اور رہنماؤں کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں۔ وہ ان حالات پر پورے طور پر منطبق ہوتے ہیں، اگر وہ زندہ ہوتے تو اس سے زائد کچھ نہ کہہ سکتے، آج بھی ان بیانات میں کسی ایک لفظ کی ترمیم کی بھی ضرورت نہیں۔

ہمیں اپنے گریبانوں میں منھ ڈال کر دیکھنا چاہیئے کہ ہم نے اس ملک کا انسانی شعور بیدار کرنے کے لئے، اور انسان کو انسان سے محبت کرنے کا سبق سکھانے کے لئے، اور انسانی جان، انسانی ناموس کی قیمت ذہن نشین کرنے کے لئے کہاں تک اور کتنی جدوجہد کی ہے، اور اس کے لئے کب کوئی ہمہ گیر مہم چلائی ہے؟ ہم نے حصول آزادی کے لئے یقیناً جان کی بازی لگا دی، اس کے لئے ایک طویل مہم چلائی جس میں ایک طرف ہر ہندوستانی کے دل میں آزادی کی آگ لگا دی۔ دوسری طرف اس سے برطانیہ کا قصر استعمار تزلزل میں آ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناممکن بات ممکن ہو گئی، اور ہندوستان کو آزادی مل گئی، لیکن ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جتنی کوشش کی قوم کے ضمیر کو آزاد کرانے کی کوشش نہیں کی، آج بھی ہم ملک کی تعمیر کی جتنی کوشش کر رہے ہیں، قوم کی تعمیر کی اس کی آدھی اور چوتھائی کوشش بھی نہیں کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ ملک موجود اور قوم موجود نہیں، ہم اپنی زمین کا ایک انچ بھی دوسرے کے قبضہ میں دینے کے لئے تیار نہیں اور یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیئے لیکن ہم بے تکلف اپنے ہی جسم کو زخمی کرتے ہیں، اپنا ہی بازو کاٹنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں، اپنے ہی ہاتھوں اپنا گھر ڈھاتے ہیں اور ایک بھائی دوسرے

بھائی کا گلا کاٹتا ہے۔

دوستو اور بزرگو! کوئی کام شدید جدوجہد، خطرات اور قربانیوں کے بغیر نہیں ہو سکتا، قوم کی صحیح تعمیر اور انسانیت کا احترام اور باہمی اعتماد و محبت پیدا کرنے کے لئے ہم کو ایک مجنونانہ اور سرفروشانہ جدوجہد کی ضرورت ہے، ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ اور فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے، ایک راستہ ہمیشہ کی تباہی، نہ مٹنے والے انتشار اور نہ ختم ہونے والے زوال کی طرف جاتا ہے، ایک راستہ ہمیشہ کے امن و امان، اتحاد و یکجہتی کی طرف لے جاتا ہے ہر ایسے موڑ پر کچھ ایسے لوگ سامنے آ جاتے ہیں، جو تاریخ کا رخ اور واقعات کا دھارا بدل دیتے ہیں۔ ان کی دلیری، ان کی صاف گوئی اور ان کی جانبازی پورے پورے ملک اور قوم کو بچا لے جاتی ہے یہی لوگ ملک کے معمار ہوتے ہیں، اکثر ایسے لوگ سیاست اور حکومت کے ایوانوں سے باہر ملک کے بے لوث خادموں اور سچے روحانیوں اور دانشوروں میں پائے جاتے ہیں جن کی نیتوں پر شبہ نہیں کیا جا سکتا جن کی صداقت اور بے غرضی مسلم ہوتی ہے اور ان کا دامن ہر داغ سے پاک ہوتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے موقعوں پر دو طبقے ہوتے ہیں جن سے توقع کی جاتی ہے اور وہی انسانوں کی امید و پناہ گاہ ہوتے ہیں اور وہی ایسے موقعوں پر سر سے کفن باندھ کر آتے ہیں اور زمانہ کی کلائی موڑ دیتے ہیں، تاریخ کے دھارے اور حالات کے رُخ کو تبدیل کر دیتے ہیں اور تاریخ نگار کے لئے ایک نیا مواد فراہم کرتے ہیں۔ پھر ملک و معاشرہ کی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے ایک بے لوث دانشوروں کا طبقہ اور دوسرا مخلص مذہبی انسانوں کا طبقہ، میں "بے لوث" اور "مخلص" کا لفظ جان بوجھ کر استعمال کر رہا ہوں بے لوث، بے غرض غیر پیشہ ور غیر مفاد پرست، یہ دو طبقے عام طور سے سب سے آخر میں گراوٹ کا شکار ہوتے ہیں اور جب ان میں بھی خرابی آ جاتی ہے تو پھر اس ملت اور تہذیب کو بچانے والی دنیا میں کوئی طاقت نہیں رہ جاتی۔ بڑی سے بڑی شہنشاہیاں اور طاقتور حکومتیں اگر چاہیں کہ اس تہذیب و معاشرہ کو بچا لیں تو وہ بچا نہیں سکتیں اس لئے کہ یہی دو طبقے ہیں جن سے ملک یا معاشرہ کا اعتدال قائم رہتا ہے اور زندگی کی چول صحیح طور پر بیٹھتی ہے، اگر خدانخواستہ یہ بھی اپنا مقام چھوڑ دیں اور اپنے منصب سے ناآشنا ہو جائیں، یہ بھی اپنی جگہ تلاش کرنے میں لگ جائیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول میں ہماری جگہ کیا ہے اور یہ سمجھ کر کہ اس ملک یا اس تہذیب کی قسمت میں تباہی تو لکھی ہی ہوئی ہے اور اب یہ کشتی تو ڈوب کر ہی رہے گی، اس لئے ڈوبنے سے پہلے کچھ فائدہ اٹھا لیں اور اپنی خواہشات پوری کر لیں، تو یہ تبدیلی کسی قوم کے لئے بس قیامت ہوتی ہے، پھر اس قوم کو کسی مصنوعی تدبیر یا دنیا کی کسی بڑی طاقت سے بچایا نہیں جا سکتا، اگر دنیا کے سارے مفکر اور تمام فلاسفر جمع ہو جائیں، اور حکومت کے سارے وسائل موجود ہوں تو بھی اس ملک یا تہذیب کو کوئی بچا نہیں سکتا، اس لئے کہ دانشور اور مذہب کا صحیح علم رکھنے والا، اور اس پر عمل کرنے والا طبقہ ان خطرات سے آگاہ ہو جاتا ہے جو برادر کشی، انسان دشمنی، مردم آزاری، سفاکی اور سنگدلی سے پیدا ہوتے ہیں، انھوں نے مذہبی کتابوں میں خدا کا ان کے ساتھ معاملہ، اور تاریخ میں ان کا انجام پڑھا ہوتا ہے، وہ قوموں کے عروج و زوال کے فلسفہ اور ان کے حقیقی اسباب و علل سے باخبر ہوتے ہیں، ان کو معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ خرابیاں کسی معاشرہ یا اجتماعی نظام میں پیدا ہوتی ہیں تو اس کے نتیجہ میں کیا تباہیاں آتی ہیں؟ اس لئے وہ اس صورت حال سے سب سے زیادہ تشویش اور خطرہ محسوس کرتے ہیں، ہر طبقہ سے زیادہ ان کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے، اور وہ اس موقع پر میدان میں آ جاتے اور ملک، قوم اور معاشرہ کو ہلاکت سے بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، میں اس موقع پر بلا کسی معذرت کے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا جس میں ماضی کے آئینہ میں حال کی بولتی ہوئی تصویر موجود ہے اور اس کی اصلاح کے لئے ایسے ہی لوگوں سے توقع ظاہر کی گئی ہے جن کے دماغوں میں کچھ بھی روشنی اور دلوں پر انسانیت کی بربادی کا رہا سہا صدمہ اور اثر ہو۔

"فلولا کان من القرون من قبلکم أولو بقیة ینھون عن الفساد فی الارض الا قلیلا ممن انجینا منھم واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیه وکانوا مجرمین۔"

(سورۂ ہود آیت ۱۱۶)

(تم سے پہلے کے انسانی نسلوں، اور گروہوں میں کچھ ایسے صاحب شعور لوگ کیوں نہ ہوئے، جو ملک میں فساد اور بگاڑ کو منع کرتے۔ ان میں تھوڑے ہی لوگ ایسے ہوئے جو ان خصوصیات کے حامل تھے اور ہم نے ان کو (اس عام تباہی سے) بچا لیا، باقی جنھوں نے اس زیادتی اور ظلم کا راستہ اختیار کیا وہ انھیں آسائشوں اور لطف و عیش کے راستہ پر پڑ گئے۔ جن کے ذرائع و مواقع ان کو مہیا کئے گئے تھے اور وہ مجرم تھے۔

اس صورت حال کی اصلاح کے لئے جو ملک کے لئے تباہ کن اس کو بدنام کرنے والی اور بیرونی دنیا کی نگاہ میں اس کو غیر وقیع، بے اعتبار، غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ ثابت کرنے والی ہے، اور جس کی اصلاح یا تدارک میں ملک کے ذی شعور، دردمند اور انسان دوست طبقہ کی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں صرف ہوتی ہیں، ایک ہمہ گیر طویل المیعاد پروگرام کی ضرورت ہے، جس پر ملک کے دانشوروں، اصلاحی اور تعلیمی کام کرنے والوں اور سیاسی رہنماؤں کو جلد توجہ کرنی چاہیئے۔ میں اس سلسلہ میں ان چار نکات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں جو میرے نزدیک فوری طور پر موثر اور مفید ہو سکتے ہیں۔

۱۔ خالص مذہبی، اخلاقی، انسانی بنیاد پر عوام سے براہ راست رابطہ قائم کرنے کی کوشش، اور دوروں، وفود، ملاقاتوں، محلوں، بستیوں، گاؤں اور قصبات کی سطح پر جلسوں اور خطابات کی تنظیم، جن میں انسان کی جان، اس کی عزت و آبرو، مال و املاک کی قدر و قیمت ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کے احترام و تحفظ کی ذمہ داری کا احساس دلایا جائے۔ مذہبی، اخلاقی و انسانی بنیاد پر یہ کام اس لئے مفید اور موثر ہے کہ اس ملک کے باشندوں کا مزاج فطرتاً مذہبی، امن پسند، محبت آشنا اور انسان دوست واقع ہوا ہے، وہ اسی زبان کو زیادہ سمجھتے ہیں اور اسی راستے سے ان کے دل و دماغ تک پہونچنا آسان ہے اور اسی کا اثر مستقل اور دیرپا ہوتا ہے، دوسرے اس لئے کہ بافسوس و شرم کے ساتھ یہ بات کہی جاتی ہے بار بار تجربوں کے بعد عوام کا سیاسی پارٹیوں اور الکشن کے موقع پر منشور اور اعلانات پر سے بھروسہ اور عقیدہ اٹھتا جا رہا ہے اور وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔

۲۔ پرائمری کے مرحلہ سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی مرحلہ تک نصاب تعلیم بالخصوص تاریخ کے مضامین اور اس کے نصاب کی اصلاح جو ملک کے دو بڑے فرقوں (مسلمانوں اور غیر مسلموں) کے دل و دماغ میں منافرت کے بیج بونے کا ذمہ دار ہے، چونکہ تعلیم و تلقین کا یہ سلسلہ بچپن کے ابتدائی دور سے شروع ہو جاتا ہے اور کتاب میں پڑھی ہوئی باتوں کا یقین (بالخصوص جب ان کو واقعات، قصوں اور کہانیوں سے مستحکم کیا جائے اور استاد بھی اس کے پرجوش مبلغ و داعی ہوں) طالب علموں کے دلوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور وہ ہر لکھی اور چھپی ہوئی بات کو ادب و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ان کا ذہن و دماغ اسی میں ڈھل جاتا ہے۔ اور ان کی پوری زندگی اسی کے سایہ میں گزرتی ہے۔ یہی زہر ہے جو آج ہمارے پورے معاشرے میں پھیلا ہوا ہے اور کسی وقت وہ ہانڈی کا اُبال اور جذباتی اشتعال بن کر فرقہ وارانہ فسادات اور عملی تصادم کی شکل اختیار کر لیتا ہے جب تک اس نصاب تعلیم کی (جس کی داغ بیل انگریزوں نے اپنے سامراجی مقاصد اور "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے اصول کے ماتحت ڈالی تھی) اصلاح نہیں ہو گی، اس امن و آشتی، باہمی اعتماد اور دونوں فرقوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی امید نہیں کی جا سکتی۔

۳۔ ہندوستانی پریس میں اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کی موثر اور طاقتور اور منظم اور مخلصانہ کوشش، یہ اخبارات اپنے ہیجان انگیز مضامین، سنسنی خیز خبروں، اور تصویر کا بالعموم ایک رخ پیش کرنے اور ایک فرقہ کے ظلم اور ایک فرقہ کی مظلومیت ہی کو نمایاں کرنے کے ذریعے لاکھوں انسانوں کے دل میں نفرت و عداوت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں اور کسی فرقہ، جماعت یا آبادی کے ایک عنصر کی طرف سے شکوک و بدگمانیوں کا ایک بادل بنا دیتے ہیں۔ میں نے کچھ عرصہ ہوا اسی شہر لکھنؤ میں مدیران جرائد کی ایک

معقول تعداد کے سامنے جو ایڈیٹرس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے فارسی کا ایک مشہور شعر کا ایک مصرعہ پڑھا تھا ؎

زیر قدمت ہزار جان است

شاعر محبوب کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ تیرے قدم کے نیچے ہزاروں جانیں ہیں اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس مصرعہ میں صرف ایک حرف کی ترمیم کے ساتھ میں نے اس کو اس طرح پڑھا تھا ؎

زیر قلمت ہزار جان است

تیرے قلم کے نیچے ہزاروں انسانی جانیں ہیں۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ قلم کی ایک لغزش ہزاروں لاکھوں انسانوں کی ہلاکت اور شہروں اور بستیوں کی تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مجھے معاف کیا جائے ایسی حالت میں میں ایسے ملک کے سرے سے اخبارات سے محروم رہنے اور اس طعنہ کے سننے کو کہ وہ اخبارات اور پریس کے میدان میں دوسرے ملکوں سے پیچھے ہے۔ اور وہ ایک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ ملک ہے اس پر ترجیح دیتا ہوں کہ لاتعداد اخبارات جو مختلف زبانوں میں نکلتے ہیں۔ اپنے ہی ملک کے باشندوں اور اپنے ہی پڑھنے والوں کی قسمتوں اور جانوں سے کھیلتے ہیں اور ہم اس پر فخر کرتے رہیں کہ ہمارے ملک میں پریس بالکل آزاد ہے اور یہاں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں مختلف زبانوں میں اخبارات نکلتے ہیں اور ان کا حلقۂ اشاعت بہت وسیع ہے۔

میرے خیال میں ملک کے دانشور اور بہی خواہ حکومت کی مشنری کی مداخلت کے بغیر بھی اخبارات کے ذمہ داروں اور لکھنے والوں کو اپنا پورا اخلاص دے کر اور تعلقات کی پوری طاقت صرف کرکے اس پر آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس کریں اور اپنے فرائض اور لیگانہ قابلیت و ذہانت کو تخریب و انتشار انگیزی میں صرف کرنے کے بجائے تعمیر اور اتحاد پروری میں صرف کریں، یہ کام ملک کے دانشور، ادیب، اہل قلم (جن میں خود ممتاز صحافی اور جرنلسٹ اور کالم نویس ہیں) بہتر طریقے پر انجام دے سکتے ہیں، اور ان کو اس میں زیادہ تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

۴۔ برطانوی حکومت نے اپنی اس کمزوری اور اس حقیقت کا احساس کرکے کہ اس کے نمائندہ ہندوستان میں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں اور سات سمندر پار سے اس ملک اور اہل ملک کی مرضی کے خلاف اس پر اپنا قبضہ اور اقتدار قائم کئے ہوئے ہے، ہندوستان میں اپنے اور پبلک کے درمیان ایک "ایجنسی" کی ضرورت سمجھی تھی جو اس کا پبلک پر رعب و داب قائم رکھے، اور جس سے یہاں کے عوام دہشت زدہ اور مرعوب رہیں اور جس کے سہارے وہ یہاں اپنے جابرانہ قوانین نافذ اور حالات کو کنٹرول کر سکے، یہ پولیس کا ادارہ تھا اور چونکہ بدیسی حکومت میں اس کی بنیاد اسی نظریہ پر پڑی تھی، اس لئے اس نے اس کی تربیت دہشت انگیزی پر کی تھی، اس کو جان بوجھ کر ہر طرح کی اخلاقی تربیت، ہم وطنوں کے احترام اور لطیف و بلند انسانی احساسات و جذبات سے الگ رکھا تھا، اس کا نتیجہ اس کیریکٹر کی شکل میں ظاہر ہوا جو اس ادارہ کا نہ صرف امتیازی نشان بلکہ قابل تعریف اور باعث افتخار بن گیا۔

لیکن اب جب کہ ہندوستان آزاد ہے، اور منتخب کئے ہوئے بھائیوں کا کام اس ملک پر حکومت کرنا نہیں بلکہ اس کا انتظام سنبھالنا اور پبلک کی خدمت کرنا ہے، پولیس کا معیار اور اس کے بارہ میں نقطۂ نظر بدلنا چاہئے اور اس مفید ادارہ کی تربیت (جو ملک کی آبادی کا ایک اہم جز اور قابل احترام عنصر ہے)، بالکل دوسرے نہج پر ہونی چاہئے، اس میں اخلاقی تربیت، ہندوستانی شہریت، اور انسانی احساسات دوسروں کی مدد کا جذبہ، کمزوروں پر رحم، چھوٹوں پر شفقت شریفوں اور پاکباز انسانوں کا احترام اور اپنے فرائض کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ اس طرح سے اہل ملک اور اپنے ہم وطنوں کی نظر میں مونس و غمخوار اور معاون و مددگار نظر آئیں، دوسرے ملکوں میں حتی کہ خود برطانیہ میں ان کو اسی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

یہ صرف اس تحتی براعظم کی خصوصیت ہے جس پر سو برس تک انگریزوں نے حکومت کی ہے، کہ پولیس کو خوف و دہشت اور اجنبیت و بیگانگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی بھی ضرورت ہے کہ پولیس میں اکثریتی فرقہ کے علاوہ دوسرے فرقہ کے بھی بالخصوص مسلم اقلیت کی مناسب نمائندگی ہو۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس تنظیم کے مختلف اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ رہنا سہنا سیکھیں گے، ایک دوسرے کی خوبیوں سے واقف ہوں گے، دوسرے ایسے فرقہ وارانہ فسادات کے موقع پر وہ یک طرفہ کارروائی نہیں کر سکیں گے۔

اس حقیقت پر اکثریتی فرقہ کو وسیع ذہن اور ٹھنڈے دل کے ساتھ اور حکومت کو حقیقت پسندی اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے اور اس کے لئے جلد اور موثر اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرات! میں نے اور "پیام انسانیت" کے داعیوں اور کارکنوں نے آپ کو اسی توقع پر یہاں آنے اور ایک جگہ جمع ہوکر ملک کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے اور اس کو تبدیل کرنے کی تدبیروں پر غور کرنے کے لئے زحمت دی، میں نے آپ کے سامنے ملک کی موجودہ صورت حال کا جو مہیب نقشہ پیش کیا ہے، اس میں قطعاً مبالغہ اور رنگ آمیزی نہیں ہے اور اس پر جس تشویش اور خطرہ کا اظہار کیا ہے اس میں بھی تخیل آرائی یا بدشگونی سے کام نہیں لیا ہے، میں آپ سے اپنی صاف گوئی اور تلخ نوائی کی معافی مانگتے اور اس پر معذرت کرتے ہوئے غالب کا یہ شعر پڑھنے کے بجائے کہ:

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اس پر متاسف اور نادم ہوں کہ میں اس سے بڑھ کر صاف گوئی، اور اس سے زائد تلخ نوائی کی جرأت نہ کر سکا اور میری زبان و قلم نے میرے درد دل کا ساتھ نہیں دیا اور میں اسی شہر لکھنؤ کے قدیم شاعر امیر مینائی کا شعر پڑھ کر رخصت ہوتا ہوں کہ ؎

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ دلذیذ
سلیمانی افلاطون
ان کے علاوہ خصوصی پیش کش
ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
فون 320059
برانچ: ۲۳۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳
32

شیخ احمد بن عبدالعزیز آل مبارک

علوم و فنون کی ترقی میں

اسلام کا حصہ

بعض وہ لوگ جو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں اور انہیں اسلام سے صرف نام کا تعلق ہے ان کا یہ خیال ہے کہ موجودہ زمانہ میں زندگی کے مختلف شعبوں میں جو نئی نئی ترقیاں ہوئی ہیں اسلام ان کا ساتھ نہیں دے سکتا جیسا کہ بعض انہیں جیسے لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کا دائرہ علم و واقفیت، اخلاق و عبادات ہی پر منحصر ہے وہ اس دائرہ سے نکل کر دنیا کے معاملات میں خواہ وہ نئے ہوں یا پرانے کوئی حصہ نہیں لے سکتا نہ موجودہ زمانہ کی علمی و ثقافتی ترقی ہی میں کوئی حصہ لے سکتا ہے اسی زمرہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو اسلام کے نام پر لوگوں سے مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹ و فریب اور شعبدہ بازی کا طریقہ اپناتے ہیں اسلام کا ان جیسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

اس قماش کے لوگ اسلام کے دشمن سامراجیوں اور عیسائیوں کے الفاظ دہراتے رہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان اسلام کی وجہ سے پیچھے رہ گئے، اور آخر زمانہ میں عربوں میں علمی جمود و تعطل کا سبب قرآن اور اس کی تعلیمات پر عمل بنا حالانکہ وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے، لیکن ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو بغض و کینہ ہے اس کی وجہ سے وہ اسلام سے ناواقف لوگوں کے سامنے اسلام کو بگاڑ کر پیش کرنے کی یہ شنیع حرکت کرتے ہیں اور حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے: پچھلی صدیوں میں مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کا اصل سبب ان کا دین سے دور ہو جانا ہے، نہ کہ نفس دین۔ جس وقت اسلامی حکومت اپنے دستور (قرآن کریم) پر عمل پیرا تھی وہ روئے زمین کی بہترین امت تھی جو لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے وجود میں لائی گئی تھی۔ اسلامی تہذیب و تمدن جس کا پرتو دنیا کے تاریک ترین دور میں ایشیا و افریقہ اور یورپ کے بڑے حصہ پر پڑا اور اس نے اس وقت جب یورپ مسلمانوں کے علوم و فنون کا محتاج تھا یورپ کی تہذیب کو بنانے میں حصہ لیا اور اسے ترقی کی راہ دکھائی اور یورپ نے اپنے یہاں کے لوگوں کو ہر علم و فن کو مسلمانوں سے سیکھنے کے لئے بھیجا، خواہ وہ علم طب ہو کہ کیمیا، علم الفلکیات ہو کہ علم النباتات فلسفہ و تاریخ ہو کہ جغرافیہ و علم الطبیعۃ۔ مثلاً امام رازی، ابن سینا، ابن رشد، ابن خلدون، ابن حیان، ابن بطوطہ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا جن کا تاریخ میں نمایاں طور پر ذکر ہے۔ جو شخص اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہے اگر اس سے ذرا بھی واقف ہو جائے تو اپنے خیالات پر قطعی طور پر نظر ثانی کرے گا اور اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ دین اسلام علم و عمل کا دین ہے، سستی و جمود کا دین نہیں۔

علم کی فضیلت کا قرآن میں جو ذکر ہے اس کا احاطہ تو اس وقت مشکل ہے مثال کے طور پر چند آیتیں پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات۔
(مجادلہ ۔ ۱۱)

(جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجات بلند کرے گا)

دوسری جگہ پھر فرماتا ہے:۔

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ٥ (زمر ۹)

(کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟)

ایک جگہ اور فرمایا:۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (فاطر ۲۸)

(تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں)

فرمایا جو مثالیں ہم بیان کرتے ہیں اس کو علماء ہی سمجھتے ہیں۔ قرآن کے ان الفاظ کو پڑھئے:۔

وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون (عنکبوت ۴۳)

(ہم یہ مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں)۔

مزید فرمایا:۔

خلق الانسان علمہ البیان
(رحمن ۳۔۴)

(اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسی نے اس کو بولنا سکھایا)۔

قرآن کریم نے دنیا و آخرت ہر قسم کے علم کو بیان کیا ہے، ہر چھوٹی بڑی چیز کا ذکر کیا ہے، جو شخص غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کو پڑھے گا وہی اس کو سمجھ سکتا ہے، فرمایا،

"افلا یتدبرون القرآن۔
(نساء ۸۲)

(کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے)

یورپ نے جس ذرہ کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ وہ ایسا جز ہے جس کے مزید اجزا (حصے) نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم نے اس ذرہ کا آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ (سبا ۳)

(ذرا بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں ہے مگر کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے۔

اگر ہم ان تمام چیزوں کا ذکر کریں جنہیں قرآن کریم نے بیان کر دیا تھا اور انسان ان سے ناواقف نہیں تھا اب چودہ سو سال بعد اس کو اس کا علم ہو رہا ہے۔ تو بات بہت لمبی ہو جائے گی جو شخص ہمارے اسلاف کے کارناموں کو استیعاب کے ساتھ پڑھیگا وہ بخوبی سمجھ جائے گا کہ ہمارے اسلاف کیسے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

المغزل فی ید المرأۃ خیر من الرمح فی ید المجاھد۔

(عورت کے ہاتھ میں سوت کاتنے کے آلہ کا ہونا اس نیزہ سے بہتر ہے جو مجاہد کے ہاتھ میں ہوتا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ:۔

لیست العبادۃ عندنا ان تصف قدمیک وغیرک یطعمک ابدأ برغیفک ثم تعبد۔

(ہمارے نزدیک عبادت یہ نہیں ہے کہ تم ہر وقت عبادت میں لگے رہو اور دوسرا تم کو کھلائے، پہلے اپنی روٹی کا انتظام کرو پھر عبادت کرو)۔

اسلام کی ان تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی قانون دیگر تمام قوانین سے لائق و برتر ہے۔ یہ دین و دنیا دونوں کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ قرآن مجید اس کا واضح و بین ثبوت ہے کہ اسلامی قانون دین و دنیا کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتا۔ جو شخص بھی قرآن مجید کا بغور مطالعہ کریگا اس کو اس میں نقہ و قانون کا ایسا ذخیرہ ملیگا جو روم و یونان اور ان کے علاوہ لوگوں کی کتابوں سے بہت فائق ہے جو شخص اسلامی اصولوں کو پڑھے گا اس پر یہ بات اچھی طرح عیاں ہو جائے گی کہ اسلام جہالت و ناخواندگی کا دشمن ہے۔ اس نے تعلیم کو ضروری قرار دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ (علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر ضروری ہے)۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:۔

من اراد الدنیا فعلیہ بالعلم ومن اراد الآخرۃ فعلیہ بالعلم ومن ارادھما معاً فعلیہ بالعلم۔

(جو دنیا حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو بھی علم حاصل کرنا ضروری ہے اور جو آخرت کا طالب ہے اس کو بھی اور جو دنیا و آخرت دونوں کا طالب ہے اس کو بھی)

اسلام نے مالداروں پر زکوٰۃ فرض کرکے فقر کا مداوا کیا ہے۔ صحت و توانائی پر زور دیتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا۔

ان لبدنک علیک حقا۔
(تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے)

ایک اور حدیث میں فرمایا:۔

المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المومن الضعیف۔

(طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر ہے اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ ● ● (ماخوذ از پیام سہروحراب)

پیامِ انسانیت کنونشن

(حبیب اللہ ندوی)

ملک وملت کی بگڑتی ہوئی صورتحال اخلاقی وسماجی گراوٹ وخود غرضی، انسانیت کی تباہی وبربادی اور شرافت وانسان دوستی کے فقدان اور مذہب واخلاق سے بیگانگی ونفرت کو دیکھ کر اور اس کے خطرات کو محسوس کرکے آج سے کئی سال پہلے ہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی اور یہ طے کیا کہ عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کرکے انہیں انسانیت اور انسانی اقدار کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے اور ایک دوسرے سے بڑھتی ہوئی منافرت اور دشمنی کو ختم کیا جائے، اس غرض سے مولانا نے ملک کے طول وعرض میں اسفار کئے۔ بڑے بڑے پبلک جلسوں کو خطاب کیا، ملک کے دانشوروں اور سماجی کارکنوں سے ملاقاتیں کیں اور سیاست وفرقہ بندی کے پلیٹ فارم سے بلند ہوکر انسانیت کے پیغام کو اپنا نصب العین بنایا۔

پچھلے عید الفطر کے موقعہ پر ملک کے مختلف شہروں میں ہونے والے مسلم کش فسادات نے، جس میں انسانیت وشرافت کی دھجیاں بکھیر دی گئیں۔ ہر صاحب ضمیر، دردمند اور انسانیت دوست آدمی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان واقعات نے پیام انسانیت کے داعیوں کو بھی اس کے بنیادی اسباب، کمزوریوں اور خرابیوں پر غور کرنے پر مجبور کردیا۔ جو ہمارے سماج کو گھن کی طرح کھائے جارہا ہے۔

اسی انسانیت دشمنی اور انسان کشی کے ماحول میں جب کہ پورا ملک خصوصاً شمالی خطہ نفرت ودشمنی کی آگ میں جھلس رہا ہے انسان، انسان کا دشمن ہوگیا ہے، یہ غور کرنے کے لئے کہ اس اخلاقی فساد، بے راہ روی اور سماجی گراوٹ کا علاج کس طرح ہوسکتا ہے، اور ملک وملت کو تباہی سے کس طرح بچایا جاسکتا ہے، کل ہند حلقہ پیام انسانیت نے ۲۷، ۲۸ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو لکھنؤ میں زیر صدارت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ، ایک کل ہند کنونشن کا انعقاد کیا اور ہر مذہب وگروہ اور ہر پارٹی وفرقہ کے سلیم الطبع اور انسانیت دوست انسانوں کو شرکت کی دعوت دی۔ کنونشن میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے تقریباً دو سو مندوبین کے علاوہ ہزاروں انسانوں نے شرکت کی اور کنونشن کے پروگرام میں نہ صرف شریک رہے بلکہ اس کی تجاویز کی پوری طرح تائید وحمایت کی۔ مندوبین میں یوپی کے مختلف شہروں کے علاوہ مہاراشٹر، بمبئی، میسور، ہریانہ، گجرات، بہار اور بنگال تک کی معزز ہستیاں، مختلف مذاہب کے سربراہ، سیاسی وسماجی جماعتوں کے قائدین، دانشور، وکیل، صحافی اور ہر شعبہ کے لوگ شامل تھے۔

۲۷ر اکتوبر کی شام ۶ بجے قیصر باغ کے وسیع وخوبصورت ہال میں کنونشن کا افتتاح ہوا، مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے کہا کہ ملک تیزی سے تباہی کی طرف جارہا ہے اس وقت مسئلہ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی یا کسی خاص عقیدے کا نہیں بلکہ مسئلہ بہت گہرا، بہت پیچیدہ اور ۶۰ کروڑ انسانوں کا ہے۔ کنونشن کے صدر اور تحریک پیام انسانیت کے بانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے صدارتی خطبے میں اپنا دردِ دل اور سوزِ دروں قوم کے سامنے رکھ دیا، اور فرمایا "تاریخ شاہد ہے کہ بے گناہ، کمزور، بے بس اور نہتے انسانوں پر ظلم وزیادتی نے، خواہ وہ کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ یہ کسی جذبہ کے تحت کیا گیا ہو، بڑے بڑے طاقتور اور وسیع سلطنتوں اور بادشاہتوں کو تاراج اور نیست ونابود کردیا ہے۔ ملک کی موجودہ صورت حال، اخلاقی ومعاشرتی گراوٹ اور ملک کے مختلف شہروں کے انسانیت سوز واقعات پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج بھی ایسے صاف ذہن دردمند اور بیدار ضمیر انسان ہیں جن کے دلوں میں واقعات سے ٹیس اٹھتی ہے اور جو ان حالات کو ملک وقوم کی تباہی خیال کرتے ہیں۔ مولانا نے ملک کے لوگوں کو درد بھری صدا دی ہے کہ صورت حال کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، یہ کام بڑی محنت اور پتہ ماری کا ہے محض اپیلوں سے پورا نہیں ہوسکتا اس کے لئے تو سر ہتھیلی پر رکھ کر نکل کھڑا ہونا ہوگا۔ حالات کے سدھار اور ملک وقوم کی بقا واصلاح کے لئے مولانا نے ایک چار نکاتی پروگرام پیش کیا اور سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ خالص اخلاقی وانسانی بنیادوں پر عوام سے براہ راست رابطہ پیدا کیا جائے، اور معاشرہ میں انسانی قدروں کو اجاگر کیا جائے۔ اخلاق، محبت اور رواداری کے ذریعہ بھائی چارہ کا ماحول پیدا کیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ پرائمری سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک نصاب تعلیم کی اصلاح کی جائے اور ایسا مواد خارج نصاب کردیا جائے جس سے نئی پود کے ذہن ودماغ میں بچپن ہی سے ایک دوسرے سے نفرت ودشمنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ بالخصوص انگریزوں کی مدون کردہ تاریخ کی ڈگر سے ہٹ کر ہندوستان کی حقیقی تاریخ سامنے لائی جائے۔ تیسری بات یہ کہ قومی پریس میں ذمہ داری اور دیانت داری کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ ملک کی صحیح صورت حال اور تصویر کے دونوں رخ کو عوام کے سامنے لائے۔ چوتھے یہ کہ پولیس کے کردار میں تبدیلی لائی جائے اور پولیس کی تربیت اس ڈھنگ سے کی جائے کہ اس میں ملک ووطن کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔ اس کے اندر یہ احساس پیدا کرایا جائے کہ اب اس کا کام وہ نہیں ہے جو برطانوی سامراج کے دور میں تھا جس کو برطانیہ نے اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے ایک خاص ڈھنگ سے ترتیب دیا تھا۔ مزید یہ کہ پولیس کے عملہ میں اقلیتی فرقوں بالخصوص مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دی جائے تاکہ فسادات کے موقعہ پر یک طرفہ کارروائی نہ ہو۔ اس حقیقت پر اکثریتی فرقہ کو ٹھنڈے دل اور وسیع ذہن کے ساتھ سوچنا چاہئے اور حکومت کو حقیقت پسندی کے ساتھ اس پر کارروائی کرنی چاہئے۔

اس صدارتی خطبہ کا انگریزی ترجمہ بنگلور سے آئے ہوئے مندوب میر جعفر علی صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ اس اجلاس میں مہاراشٹر کے سابق وزیر داخلہ مسٹر بھائی ویدیہ، سرودھرم کے رکن اور جین مت کے لیڈر سوامی پرگیانند، عیسائی فادر ڈی سوزا اور کانگریس کے صدر دھرم ویر نے اپنے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اور پیام انسانیت کنونشن کو وقت کی ایک ضرورت قرار دیا۔

۲۸ر اکتوبر کو دس بجے دن میں مندوبین کا اجلاس ہوا، اس اجلاس میں مولانا کے چار نکاتی پروگرام میں ہر ہر بات پر اظہار خیال کیا گیا اور ان کے مضمرات، تفاصیل اور نتائج پر بحثیں ہوئیں اور ان کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے انھیں کی روشنی میں تجاویز اور قرار دادیں پاس ہوئیں۔ ان تجاویز اور فیصلوں کو حکومت تک پہونچانے اور نافذ کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ ہوا۔ مولانا کی قیادت ورہنمائی میں اس کام کو آگے بڑھانے اور ہمہ گیر پیمانے پر انجام دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

اجلاس میں جن لوگوں نے تقریریں کیں ان میں عبدالکریم پاریکھ (ناگپور) ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، میر جعفر علی (بنگلور) پروفیسر منشاء الرحمان (ناگپور)، مسٹر جگدیش نرائن تیواری (گورکھپور) ڈاکٹر کامی رام صدر بیک ورڈ اینڈ مائنارٹی کمیونٹیز فیڈریشن (دہلی)، مسٹر انیس الحق چشتی (پونا)، سردار خاں (وزیر داخلہ ہریانہ) مسٹر بھائی ویر (سابق وزیر داخلہ مہاراشٹر) مسٹر ایم۔ ایل سوندھی (دہلی)، مولانا ہاشم فرنگی محلی، قمر ریاست حسین ایم۔ ایل۔ اے فادر ڈیسوزا مسٹر محمد مسعود خاں وغیرہ شامل تھے۔

اجلاس نے قرارداد کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا کہ پولیس فورس کی اصلاح وتربیت کی جائے، اقلیتوں اور کمزور طبقوں کو اس میں مناسب نمائندگی دی جائے اور نصاب تعلیم میں اصلاح کرکے ایسے مواد کو خارج کیا جائے جس سے ذہن ودماغ میں منافرت وفرقہ پرستی کا زہر پیدا ہوتا ہے۔ ایک تجویز کے ذریعہ کنونشن نے اخبارات اور پریس کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلایا کہ وہ دیانت داری اور غیر جانبداری کے ساتھ عوام کے سامنے حقیقت کو سامنے

(بقیہ صفحہ ۱۲)

مولانا مفتی محمودؒ

دین وسیاست کا خوشگوار اجتماع

شمس تبریز خاں

ہمارا زمانہ پچھلے زمانے کے مقابلے میں کیفیت کے بجائے کمیت کا زمانہ بن گیا ہے، روحانیت کے بجائے مادیت، خاموش اور پرخلوص خدمت کی جگہ، ہنگامہ پروری اور سستی شہرت، حقیقت واصلیت کے مقابلے میں نقل وتصنع گویا اس کا مزاج بن گیا ہے، ملاوٹ، کھوٹ، اور ملمع صرف مادی اشیاء ہی تک محدود نہیں بلکہ ماورائی اور انسانی اقدار وافکار تک میں سرایت کرتا جارہا ہے، اب 'روحانیت' کا مطلب شعبدہ بازی وکرشمہ سازی ہے، اور اسے مادیت سے اوپر اٹھنے کے بجائے مادی فوائد کے زیادہ سے زیادہ حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح افکار ونظام ہائے حیات کا مقصد بہتر اور عادلانہ نظام حیات برپا کرنے کے بجائے کسی ایک ملک یا قوم کی برتری سمجھا جاتا ہے مگر پروپیگنڈا، عالم گیر عدل ومساوات، ترقی، غریبوں اور مزدوروں کی فلاح وبہبود کا کیا جاتا ہے۔ آج ساری دنیا کے معاشی نظام کو سود یعنی غریبوں اور محتاجوں کے خون سے غذا دی جارہی ہے مگر کہا یہ جاتا ہے کہ یہ سب کچھ غریب عوام کی بہتری کے لئے کیا جارہا ہے۔ ...... یہ ابتری اور افراتفری صرف زندگی کے موجودہ نظاموں اور نظریوں ہی تک محدود نہیں بلکہ انسانی طبقات تک میں پھیل چکی ہے جس کے نتیجے میں معیاری ومثالی انسانوں کا تو کیا اچھے شریف اور مخلص انسانوں تک کا قحط پیدا ہوگیا ہے۔

قحط الرجال کے اس دور میں اب یہ صورت حال عام ہوگئی ہے کہ زندگی کے جس میدان سے بھی کوئی لائق اور اچھا انسان اٹھ جاتا ہے اس کی جگہ ایک مہیب خلا پیدا ہوجاتا ہے اور ایسا نقصان پہنچ جاتا ہے جس کی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔ علم ودین، اسلامی سیاست وجمہوریت اور ملت اسلامیہ کو ایک ایسا ہی زبردست صدمہ مولانا مفتی محمود صاحب کی حرکت قلب بند ہوجانے سے پہنچا جو ۴ر ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ/۱۴ر اکتوبر ۱۹۸۰ء کو دارالعلوم کراچی میں ہوئی جہاں وہ سفر حج کے سلسلے میں ٹھہرے تھے اور وہاں کے علماء کرام سے پاکستان میں نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے سلسلے میں غور وخوض اور اظہار خیال فرما رہے تھے۔

مولانا مفتی محمود برصغیر ہند وپاک ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں اسلامی سیاست وقیادت کا ایک زندہ، مثالی اور عملی نمونہ تھے، انھوں نے اپنے قابل قدر طرز عمل سے دین وسیاست کی تفریق کا نظریہ بالکل باطل کر دکھایا تھا اور پاکستان کی لڑکھڑاتی سیاسی روایت کو قوت واستحکام بخشا تھا، انھوں نے سیاست وحکومت میں مذہب واخلاق، ایثار وخلوص، سچائی اور ایمانداری کو از سر نو رواج دینے کی بھرپور کوشش مرتے دم تک جاری رکھی — پاکستان میں اسلامی جمہوریت کی بحالی ان کی سیاست کا طغرائے امتیاز تھی، اس سلسلے میں انھوں نے گذشتہ اور موجودہ حکومتوں میں اپنی سرگرم اور یادگار خدمات سے دریغ نہیں کیا اور اپنے اس نیک مقصد اور کار خیر کے لئے خلوص وبے غرضی کے ہر معیار پر پورے اترے، ان کے مومنانہ عزم وثبات اور جرأت واستقامت کو کوئی تحریص وترغیب، اور تہدید وتنبیہ متزلزل نہ کرسکی، حکومت اور حزب اختلاف کی ہر سطح سے انھوں نے کلمۂ حق بلند رکھا، اور حاکمیت ومحکومیت کے ہر دور میں انھوں نے اسلامی طرز حیات، طریقۂ کار اور نظریۂ حکومت وسیاست کی بالادستی کے لئے مخلصانہ مساعی جاری رکھیں، ان کی ان ناقابل فراموش، ولولہ آفریں تاریخی اور تاریخ ساز خدمات کے پیش نظر بعض پاکستانی احباب کا یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ مولانا مرحوم کی وفات سے چودہویں صدی ہجری کا آخری چراغ گل ہوگیا۔

مولانا مفتی محمود ۶ر ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں پنیالہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں میں پیدا ہوئے، جہاں مولانا کے دادا جد خلیفہ محمد صدیق افغانستان سے آکر مقیم ہوئے تھے۔ مولانا نے وہیں کے گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا پھر خاندانی روایات کے مطابق متوسط دینی تعلیم کے بعد دہلی اور پھر مرادآباد کے مدرسہ قاسمیہ میں حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ سے حدیث پڑھی اور ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی۔

وطن کے مختلف مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیں پھر ۱۹۵۰ء سے مدرسہ قاسم العلوم ملتان میں مدرس پھر صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہوئے اور تقریباً ۱۵ ہزار فتاویٰ اپنے قلم سے لکھے۔ عربی تحریر وتقریر پر یکساں قدرت حاصل تھی ان کے بعض قصائد "الصدیق" ملتان میں شائع ہوئے اور بہت سے غیر مطبوعہ ہیں، عربی میں جامع ترمذی کی شرح بھی لکھ رہے تھے۔

معاملہ فہمی، دور اندیشی اور تحریکی ذہن کے سبب سیاسیات سے ہمیشہ دلچسپی رہی مگر یہ دلچسپی کسی مادی غرض پر نہیں بلکہ ملی مصالح اور بے غرضی پر مبنی تھی ۱۹۴۷ء کے الکشن میں مولانا مفتی محمود صاحب نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے ساتھ یوپی میں کام کیا اور اس طرح جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ ہوگئے پھر پاکستان کے قیام کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی قائم کردہ جمعیۃ علمائے اسلام کی روح رواں بن گئے جس کے صدر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور سکریٹری مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی تھے۔

۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی زیر صدارت ۳۱ پاکستانی علماء نے ۲۲ نکاتی اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا جس کے ایک رکن رکین مولانا مفتی محمود بھی تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مفتی صاحب نے سرگرم حصہ لیا اور اس "جرم" میں سال بھر تک ملتان جیل میں نظر بند رہے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے خلاف بھی وہ صف آرا رہے اور مارشل لاء کے دور میں عائلی قوانین کے جبری نفاذ کی بھی مخالفت کی۔ ۱۹۵۹ء میں وفاق المدارس الاسلامیہ کے تحت انھوں نے مدارس کی تنظیم وترقی کا سر وسامان کیا۔ اور ان کو تقویت پہنچائی۔ ۱۹۶۲ء میں وہ صوبہ سرحد کی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اسی عرصے میں انھوں نے مصر کے متعدد سفر کئے اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے جلسوں میں شرکت کی ۱۹۶۵ء میں انھوں نے جمعیۃ علماء، مجلس احرار وغیرہ دینی جماعتوں کا ایک متحدہ محاذ بنایا جو مشترک عمل اور تعاون علی البر کا ایک نمونہ تھا۔

ایوب خاں کی سخت گیریوں کے مقابلے میں جب سیاست داں ہمت ہار چکے تھے، مفتی صاحب نے جرأت کرکے لاہور میں ۱۹۶۸ء میں جمعیۃ علمائے اسلام کی ایک عظیم کانفرنس منعقد کی اور ملکی سیاست میں علماء کو ایک قابل لحاظ طاقت بناکر سامنے لائے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کردیں۔ ۱۹۶۹ء میں مفتی صاحب کی کوششوں سے پاکستان کی نمائندہ جماعتوں کا اتحاد "جمہوری مجلس عمل" کے نام سے قائم ہوا اور حکومت کے سامنے اسلامی نظام کا مطالبہ رکھ دیا گیا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مفتی صاحب نے ڈیرہ اسماعیل خاں کی سیٹ پر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو شکست دی جس پر مسٹر بھٹو نے کہا تھا کہ "میں آئندہ کبھی مفتی محمود صاحب کے مقابلے میں الیکشن نہیں لڑوں گا"۔

اسی سال انھوں نے لاہور میں آئین شریعت کانفرنس منعقد کی اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے عوامی بیداری پیدا کی۔

۱۹۷۰ء کے الکشن میں جب شیخ مجیب الرحمن نے ۳۰۰ کے ہاؤس میں [illegible] نشستیں حاصل کیں تو یحییٰ خاں اور مسٹر بھٹو نے دھاندلی اور شیخ مجیب کی مخالفت، اور گفتگو کے بجائے فوجی کارروائی شروع کردی جس کے نتیجے میں بالآخر بنگلہ دیش کا المیہ پیش آیا، مفتی صاحب ان دونوں لیڈروں کی مخالفت مول لے کر مجیب سے مصالحانہ گفتگو کرتے رہے اور اس سلسلے میں تعمیری کردار ادا کیا۔ مگر جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے تخریبی طاقتیں کامیاب ہوئیں۔

بکم مئی ۷۲ء ۱۹ کو مولانا مفتی محمود صاحب نے صوبہ سرحد کی وزارت علیا سنبھالی اور ساڑھے نو ماہ کی مختصر مدت میں اسلامی طرز حکومت کے ایسے خوش گوار نقوش قائم کئے جن کو لوگ مدتوں یاد کریں گے انھوں نے سادگی اور بے غرضی اور اسلام دوستی کی ایسی دل کش مثالیں قائم کیں جو پاکستان کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھیں گی۔ انھوں نے ایثار سے کام لیتے ہوئے وزیر اعلیٰ کی آدھی تنخواہ قبول کی جس کی تقلید ان کے وزرا نے بھی کی انھوں نے وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ کو یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ ایک غریب صوبے کے وزیر اعلیٰ کو یہ زیب نہیں دیتا، شورش کاشمیری مرحوم نے مفتی صاحب کی مخلصانہ سیاست کو دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ "مفتی صاحب کی وزارت پر ذاتی منفعت کا کوئی داغ نہیں" کراچی کے روزنامہ جسارت نے اپنے ۱۶ اکتوبر کے اداریے میں بہت صحیح لکھا ہے کہ "اپنے عہد وزارت میں انھوں نے قرن اول کے مسلمان حکمرانوں کی سی درویشانہ شان کا مظاہرہ کیا اپنی مجموعی سیاسی زندگی میں انھوں نے ایک چیز بہت واضح طور پر ثابت کی کہ قدیم اسلامی طرز کی درسگاہوں کے فارغ التحصیل علما جدید دنیا کی انتہائی شاطرانہ جمہوری فضا میں حزب اختلاف کے پلیٹ فارم سے یا ایوان حکومت کے اندر ہوشمندانہ اور دیانتدارانہ سیاست چلانے کی پوری اہلیت وصلاحیت رکھتے ہیں، مولانا مفتی محمود کی شخصیت کے ساتھ علماء پاکستان میں پہلی بار سیاسی تحریکات پر غالب آئے اور ان کی موجودگی نے سیاست کے انداز، اطوار اور نعرے سب بدل ڈالے اور پھر ان ہی کی قیادت میں برصغیر کی ۸۰ سالہ جدید تاریخ کی سب سے زیادہ پُرجوش اور ولولہ انگیز تحریک "تحریک نظام مصطفےٰ" چلی الخ" ——— مسٹر بھٹو کی معاہدہ شکنی، بے اصولی اور دھاندلی کے سبب جس کے نتیجے میں بلوچستان کی وزارت ختم کی گئی، فروری ۱۹۷۳ء میں مفتی صاحب نے بھی وزارت سے استعفاء دے دیا اور اصول پسندی اور جمہوریت نوازی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی اور "متحدہ جمہوری محاذ" کی تشکیل عمل میں آئی۔

قادیانیوں کے سلسلے میں ۱۹۵۳ء سے جاری ہونے والی جدوجہد خاص طور پر مفتی صاحب کی بدولت ، ستمبر ۱۹۷۴ء کو کامیابی سے ہمکنار ہوئی جب پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ ۱۹۷۷ء میں "پاکستان قومی اتحاد" (P.N.A.) کا وجود عمل میں آیا اور مفتی صاحب اس متحدہ محاذ کے صدر ہوئے اور ان کی قیادت میں محاذ نے انتخابی کامیابی حاصل کی مگر مسٹر بھٹو پھر دھاندلی پر اتر آئے اور اپنی فرضی کامیابی کا اعلان کر دیا جس کے نتیجے میں وہ تاریخی احتجاج شروع ہوا جو صدر ضیاء الحق کے اقتدار میں آنے کے بعد مسٹر بھٹو کی پھانسی تک پہنچا، پھر مفتی صاحب نے عوامی حکومت اور جمہوریت کی بحالی کے سوال پر صدر ضیاء الحق سے بھی علٰحدگی اختیار کر لی اور اپنی آخری سانس تک پاکستان میں عوامی انتخابات اور اسلامی جمہوریت اور شرعی حکومت کے قیام کے لئے خلوص اور سرگرمی کے ساتھ کوشاں رہے اور اسی مقصد عظیم و عزیز کی راہ میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

اپنی مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور اس کے فکر سے ان کو تعلق خاطر تھا چنانچہ اس سال کے شروع میں وہ پاکستانی علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دارالعلوم کے جشن صد سالہ میں شریک ہوئے اور پاکستان جاکر اسی طرح کا جشن وہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی کرنا چاہتے تھے ——— مولانا مفتی محمود مرحوم کی کارناموں سے بھری زندگی ان سب لوگوں کے لئے درس عبرت وبصیرت ہے جو عصر حاضر میں اسلام کی صحیح اور موثر ترجمانی کرنا چاہتے ہیں اور اسلامی نظام کے عملی نفاذ و قیام کے لئے سرگرم عمل ہیں' ان کی زندگی مدارس عربیہ کے علمائے کرام اور طلبۂ عزیز کے لئے خاص سبق رکھتی ہے کہ انھوں نے اپنی مبارک زندگی میں دین و سیاست کا کیسا خوشگوار اجتماع کر دکھایا جس میں اعتدال و توازن قائم رکھنا آتش و پنبہ، شیشہ و آہن اور جام وسنداں سے بیک وقت کھیلنے کا حکم رکھتا ہے انھوں نے دین کو ہمیشہ سیاست پر حاوی اور حاکم رکھا اور وہ زندگی کے ہر معاملے میں دین ومذہب اور کتاب وسنت سے رجوع کرتے رہے، صحیح دینی مزاج اور اسلام کے گہرے عرفان وشعور کے سبب ان میں وہ اولوالعزمی وعالی ہمتی، فراست واصابت رائے اور قیادت وسیادت کے ایسے جوہر نمایاں ہوئے جو مرد مومن کی دیرینہ میراث ہیں۔

ایسے عبوری دور میں جب کہ ساری دنیا میں اسلامی انقلاب کی لہریں اٹھ رہی ہیں اور مسلمان عالمی سطح پر اپنی زندگیوں اور معاشروں میں دین وشریعت کے فوری نفاذ کے لئے بے تاب ہیں، مولانا مفتی محمود جیسے روشن دماغ ور وشن ضمیر، خدا ترس اور انسان دوست سیاسی رہنما اور صاحب عزت وحمیت عالم ربانی کا اٹھ جانا ہماری بدنصیبی بھی ہے اور ہماری ذمہ داریاں بھی بڑھا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے اور عالم اسلام کو ان کا بدل اور جانشین عطا فرمائے جس سے ان کا مبارک مشن جاری رہے۔ آمین!۔

سوداگر مکسچر کے اسپشلسٹ

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone SHOP: 862220
RESI: 378854

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

صراط مستقیم

(از حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رح)

اپنی اصلاح پر نظر اور دوسروں کے عیوب سے درگزر

ایک بات ضروری تحریر میں آنا مناسب اور اہم ترین ہے جو تمام باتوں کی جان ہے اور نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ اس تحریر میں آیا اور جو نصیحتیں خداوندی سے آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ صرف اس لئے ہے کہ اپنی اصلاح اور اپنے عیوب کی تلاش اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی اس سے مقصود ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ ان امور کے ذریعہ سے دوسروں کے عیوب تلاش کئے جائیں اور اگر کسی میں کوتاہی یا نقص پایا جائے تو اس کا ذکر کسی دوسری جگہ کیا جائے۔ یا اس کا عیب مجلسوں میں یا تنہائی میں کسی سے ظاہر کیا جائے یہ بدترین عیوب اور قبیح ترین گناہوں میں سے ہے اور بلند لوگوں کو پستی میں پہونچانے والی چیز ہے اگر کسی میں کوتاہی یا نقص یا کوئی کمی معلوم ہو یا دکھائی دے یا سننے میں آئے تو اس کو فوراً نظر انداز کر دو۔ اور دعا میں مشغول ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ کوتاہی دور فرما کر اس کو صراط مستقیم کی رہبری فرمائے۔

بہت سے حضرات ایسے بھی ملیں گے جن میں سراپا کوتاہیاں نمایاں ہوں گی مگر یقین سے سمجھئے کہ ان میں کوئی خوبی ایسی ہوگی جو آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہوگی اور وہ خوبی شاید ان تمام برائیوں کو مٹانے اور ختم کرنے والی ہوگی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ان الحسنات یذھبن السیّئات" (اور ہو سکتا ہے کہ ان کو یہ درجہ حاصل ہو فاولٰئک یبدل اللہ سیأتھم حسنات) اسے کہ رکھتا ہوں کہ جن کو سب اچھا کہتے اور اچھی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کا اچھا ذکر کرتے ہیں اگر ان میں اندرونی کوتاہی یا نقص وعیب تم کو معلوم ہو جائے تو اس کو منھ پر لانا تو درکنار خیال سے بھی دور کر دینا اور دعاء میں مشغول ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ یہ کوتاہیاں ہمارے برادر دینی کی دور فرما کر اس کو کمال اور بہتری پر پہونچا دے۔ ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین اٰمنوا ربنا انک رؤف رحیم۔ (حشر رکوع ۱۶)

ترجمہ: اور نہ ڈال ہمارے دل میں کینہ اور حسد مومنوں کے لئے، اے ہمارے رب بے شک آپ رؤف رحیم ہیں۔

روز وشب اپنے اعمال کا جائزہ لینا اور ان پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔ دن گزرے تو شب میں یہ غور کر لیا جائے کہ آج کیا کام ہوئے اور ان میں کون سا کام اللہ کی رضامندی اور قرب حاصل کرنے کا ہوا اور کون سا کام غفلت اور دوری کا ہوا تاکہ استغفار سے اس کی تلافی میں مشغول ہو کر آئندہ کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اسی طرح رات گزرنے پر دن میں بھی یہ غور کر لیا جائے کہ رات کیسی گزری تو انشاء اللہ کافی ہوگا۔ ان اللہ یبسط یدہ باللیل لیتوب مسیئ النھار ویبسط یدہ بالنھار لیتوب مسیئ اللیل حتی تطلع الشمس من مغربھا (الحدیث) ترجمہ ——— اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے لئے اپنا ہاتھ رات کے وقت پھیلاتے ہیں تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرے اور اسی طرح دن میں اپنا ہاتھ کشادہ فرماتے ہیں تاکہ رات کا گنہگار اپنی توبہ پیش کرے اور یہ عمل برابر جاری ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے نکلے یعنی باب توبہ بند ہو۔)

باہمی مغائرت اسلام کے منافی ہے

خصوصیتیں جو باہمی پیدا ہیں خواہ وہ رشتہ کے سبب سے ہوں یا مریدی کے سبب سے ہوں یا شاگردی کے سبب سے ہوں۔ ان خصوصیتوں میں ایسا مبالغہ کرنا جس سے دوسری کی اہانت کا کچھ شائبہ پایا جائے بہت ہی ظلمت کا باعث ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیراً منھم ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیراً منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظّٰلمون (حجرات رکوع ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو نہ مذاق اڑائے تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں (مذاق اڑائیں) دوسری عورتوں کا شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عیب لگاؤ (آپس) میں اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام بھی برا ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔)

تعریف اور خصوصیت اسی حد تک ہو کہ دوسرے کی توہین یا بے ملت اور جماعت کی اہانت نہ نکلے اس میں اکثر قدم تجاوز کر جاتے ہیں۔ ایک جماعت والے دوسری جماعت سے مغائرت اختیار رکھتے ہوئے ہیں اور ایک پیر کے مرید دوسرے پیر سے بیگانہ ہیں اور ایک خاندان والوں کو دوسرے خاندان والوں سے مغائرت ہے۔ یہ تعلیم قرآن پاک اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل خلاف ہے اخوت اسلامی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس دن لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے اس دن صرف تقویٰ کی درستی باقی رہے گی۔ الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین ہ (زخرف رکوع ۷)

ترجمہ: دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے اہل تقویٰ کے۔)

بہتر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق ہم سب کو عطا فرمائے کہ اگر کوئی شخص ہمارا برائی سے ذکر کرتا ہے خواہ سامنے ہو یا پیچھے تو ہم اس کا ذکر برائی سے ہرگز نہ کریں بلکہ اس بات پر غور کریں کہ اگر ہم میں وہ برائی موجود ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ برائی ہم سے دور ہو جائے اور اگر اس نے غلط کہا ہو تو اللہ کا شکر بجا لائیں کہ فضل الٰہی نے ہم کو اس برائی سے پاک رکھا ہے۔

نیک باشی و بدت گویند خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

ترجمہ: اگر تو نیک ہو اور مخلوق تجھ کو برا کہتی ہے تو خیر! یہ بہتر اس بات سے ہے کہ تو برا ہو اور لوگ تجھ کو اچھا کہیں۔

انھیں باتوں سے انشاء اللہ تزکیہ باطن حاصل ہو کر فیضان وبرکات قرآن پاک سے مستفیض ہونے کا موقع اور توفیق حاصل ہوگی۔

یہ بیان کردہ تمام امور متقدمین حضرات کی خوشہ چینی ہے جن کو ان حضرات نے بہت اچھی طرح واضح فرمایا ہے۔ یہاں صرف اعادہ کیا جا رہا ہے اور غفلت اور سہو کو دور کیا جا رہا ہے۔ تاکہ بھولی ہوئی باتیں یاد آ جائیں۔ اس پر جو آیات شریفہ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم موید ہوتی ہیں وہ تلاش کر لی جائیں۔ طوالت تحریر کی وجہ سے ان سب کو لکھنا مناسب نہیں سمجھا موجودہ زمانہ میں جو بات بھی کوئی کہے گا سابقین ہی کی خوشہ چینی سے کہے گا اس سے باہر نہیں جا سکتا۔

نگران اعلیٰ:
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلس ادارت:
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے بجے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر "تعمیر حیات" ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

کوائف دار العلوم

★ النادی العربی، جمعیۃ الاصلاح، انجمن الاصلاح کا افتتاح۔

★ المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی دوسرے سال میں۔

تعطیل کلاں کے بعد ملک کے حالات ایسے نہیں تھے کہ لوگ اپنے جگر پاروں کو اپنے سے جدا کرنے کے لئے تیار ہوتے نیز اس سال کی شدید اور مسلسل بارش نے زندگی کو مفلوج کر دیا تھا اور وسائل آمد و رفت کے بارے میں کوئی متعین بات نہیں کہی جا سکتی تھی خود شہر لکھنؤ کچھ عرصہ تک اپنے قرب و جوار کے علاقوں سے کٹا رہا۔

دار العلوم کے ذمہ داروں نے حالات کے پیش نظر دار العلوم کے کھلنے کی میعاد میں توسیع کر دی مگر یہ اطلاع مذکورہ بالا حالات میں پورے طور پر نہ ہو سکی اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد کسی نہ کسی طرح آ گئی، اور ان کے داخلے بھی شروع کر دینے پڑے اور سلسلہ تقریباً پورے شوال جاری رہا۔ تاخیر سے آنے والوں میں قدیم طلبہ بھی تھے اور جدید بھی۔ خدا خدا کر کے تعلیمی سلسلہ کا آغاز ہوا اور اس کے بعد سے طلبہ کی دلچسپیوں اور سرگرمیوں کو شروع کرنے کے لئے انتخابات شروع ہوئے اور النادی العربی۔ الاصلاح کے انتخابات مکمل ہوئے۔

ابتداء سال ہی میں حضرت مولانا نے دار العلوم میں آنے والے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے اور ان کو ان کے مقاصد سے روشناس کرا دیا تھا اور ان کو ذہن نشین کرا دیا تھا کہ وہ اس کا استحضار رکھیں اور ان مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں رہیں۔

تعلیمی سال میں قدرے تاخیر کی وجہ سے طلبہ کی علمی و ثقافتی اور تحریری اور تقریری اور انتظامی امور کی انجمن کے انتخابات میں متاثر ہوئے اور اب بحمد اللہ اس کے انتخابات ہو چکے ہیں اور انھوں نے افتتاحی جلسوں کے علاوہ باقاعدہ اپنے کام کا آغاز بھی کر دیا ہے۔

۱۔ عربی تحریر و تقریر کی انجمن النادی العربی کے عہدیداروں کے حسب ذیل نام ہیں:

۱۔ محمد ولی اللہ	امین العام
۲۔ نعمان الدین سنبھلی	امین اللجنۃ الخطابیہ
۳۔ محمد قیصر حسین	امین اللجنۃ الثقافیۃ
۴۔ عبد الخالق اعظمی	امین الصحافۃ
۵۔ اکبر شریف	امین مکتبۃ الرائد
۶۔ ضیاء الرحیم	نائب امین الخطابۃ
۷۔ وسیم احمد	〃 امین الثقافۃ
۸۔ بہار الدین	〃 امین مکتبۃ الرائد

اور امام الہدیٰ، حشمت اللہ، رضی الاسلام، محمد اکرم، یحییٰ مختار، احمد الحسینی، ارشد اعظمی، ظہیر احمد، خورشید انور، خطیب عالم، عزیز احمد، ضیاء الدین، عبد السمیع صدیقی، وکیل احمد، بشیر الدین، محمد علی رجب، سید عنایت اللہ، مختار احمد بستوی، عبد الحفیظ، اقبال احمد بہرائچی، محمد ہاشم، عبد الحمید، شہاب الدین اور بہاء الدین رکن ہیں۔

۲۔ جمعیۃ الاصلاح کے عہدہ داران کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ خورشید انور	نائب صدر
۲۔ شعیب اسلم حیدرآبادی	ناظم
۳۔ آفتاب عالم	معتمد بزم خطابت
۴۔ وزیر احمد اعظمی	معتمد بزم سلیمانی
۵۔ خطیب عالم	معتمد مالیات
۶۔ کلیم الرحمٰن خاں	محاسب
۷۔ نصر اللہ	معتمد بزم صحافت
۸۔ محمد اسد اللہ	معتمد دار الکتب
۹۔ محمد عنایت اللہ	معتمد دار الاخبار

اور محمد طاہر، شبیر عالم، محمد ارشد اعظمی، حشمت اللہ، عبد القیوم کشمیری، اکبر شریف، محمد شاکر، محمد ہاشم مظفر نگری یہ سب کے سب رکن ہیں۔

۳۔ چھوٹے طلبہ کی انجمن الاصلاح کے عہدہ داروں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ شہاب الدین	ناظم
۲۔ بہاء الدین	محاسب
۳۔ عبد الماجد کشمیری	نائب ناظم
۴۔ درخشاں عالم پورنوی	معتمد بزم خطابت
۵۔ مشہود السلام	نائب معتمد بزم خطابت
۶۔ صدر الاسلام	معتمد بزم سلیمانی
۷۔ رشید احمد اعظمی	نائب معتمد بزم سلیمانی
۸۔ عبد الاحد خاں بستوی	معتمد دار الکتب
۹۔ نذر المبین	نائب 〃 〃
۱۰۔ طارق جاوید بھاگلپوری	معاون
۱۱۔ آفاق منظر	〃
۱۲۔ حبیب احمد	معتمد دار الاخبار
۱۳۔ عیاض احمد	نائب معتمد دار الاخبار

اور سعید احمد قاسمی اور محمد کلیم اعظمی رکن کی حیثیت سے ہیں۔

حضرت مولانا نے المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی جس کو قائم ہوئے ایک سال ہو گئے ہیں اور اب اس کا دوسرا سال چل رہا ہے کے افتتاحی جلسہ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے المعہد العالی کے قیام کے اسباب بتاتے ہوئے کہا کہ جب ہم ہندوستان کے قدیم نصاب درس دیکھتے ہیں تو اس میں برابر جدید یعنی آمد کا سلسلہ نظر آتا ہے اور علماء نے ہر دور میں ان حالات کا خاص خیال رکھا، اور آمد کے سلسلہ کو قائم رکھا اور علماء کی خصوصیت رہی کہ جہاں ان کو ایک طرف سند تفسیر و حدیث حاصل رہی ہے تو دوسری طرف علم و زبان پر پورا عبور حاصل رہا ہے اور ان کو سند تسلیم کیا جاتا رہا ہے اور اردو کے عناصر اربعہ مولانا شبلی نعمانی، مولوی محمد حسین آزاد، مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، سب اسی زمرہ کے ہیں۔

مگر جب سے ہندوستان میں بیرونی اثرات آئے اور مسلمانوں کی حکمرانی ختم ہو گئی تو ان پر یہیں سے جمود آ گیا اور ان کے پاس جو کچھ تھا اس کا احتفاظ اور حصر شروع ہو گیا اور یہ چیز علماء کو حالات حاضرہ سے دور کرنے میں مدد اور معاون بنی اور اس کے بعد ایک دور ایسا آیا جب جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور علماء کے مابین خلیج حائل ہو گئی وہ قدیم کے لئے گوشہ نشین ہوئے اور یہ جدید پر نازاں اور دنیا کے علمبردار بن گئے، نہ وہ ان کو خاطر میں لاتے تھے اور نہ یہ ان کو قابل اعتناء سمجھتے تھے۔ مولانا نے المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے قیام کے مقاصد بتلاتے ہوئے فرمایا:

"اس کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو مذہب و تمدن کے دائرہ میں علوم اور حیات ملی کے جسم مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونکیں نئی حرکت پیدا کریں اور نئے نئے فتنوں کا سد باب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے جو ذہنی [illegible] دماغی صلاحیت کے ذریعہ اصلاح و تجدید کا کام کریں۔

۲۷، ۲۸ر اکتوبر کو ہونے والی پیام انسانیت کانفرنس اور ۳۰، ۳۱ر کو ہونے والے دار العلوم ندوۃ العلماء کے جلسۂ انتظامیہ میں آنے والے مہمانوں سے کئی دن دار العلوم میں چہل پہل رہی ہے۔

جلسۂ انتظامیہ نے مولانا عبد السلام صاحب مرحوم کی جگہ مولانا عبد اللہ عباس ندوی استاذ جامعۃ الملک عبد العزیز مکہ مکرمہ کو معتمد تعلیمات مقرر کیا ہے۔ مولانا ان دنوں استاذ زائر کی حیثیت سے سال بھر کے لئے ندوۃ العلماء میں قیام پذیر ہیں۔

اس سال دار العلوم میں عید الاضحیٰ کی چھٹی دس یوم کی تھی اکثر طلبہ چھٹی میں اپنے گھروں کو چلے گئے تھے سب وقت پر واپس آ گئے اور تعلیمی سرگرمیاں حسب معمول جاری ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱ :

پیام انسانیت کنونشن

لائیں۔

شام کو ۶ بجے کنونشن کا اختتامی اجلاس عام ہوا، اس میں عبد الکریم پاریکھ اور دیگر مقررین کے علاوہ حضرت مولانا نے خطاب کیا۔ اپنی تقریر میں مولانا نے وضاحت کی کہ پیام انسانیت صرف فرقہ وارانہ فسادات تک محدود نہیں بلکہ اصل میں ہمیں سماجی و اخلاقی فساد سے نپٹنا ہے، یہاں سے ہر شخص کو یہ عہد و پیغام لے کر جانا ہے کہ ملک میں نفرت کو محبت، عداوت کو دوستی، اور بد اخلاقی کو اخلاق میں بدلنا ہے، یہ جو فسادات ہوئے ان میں ہمیں پیسے کی محبت، تنگ نظری اور حسد کی جھلک دکھائی پڑتی ہے، ہمیں دولت پرستی کی لعنت کو بھی ختم کرنا ہے، اس طرح یہ دو روزہ کنونشن نئی امنگوں، زندہ حوصلوں اور اہم قراردادوں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس میں بعض مطالبات اگرچہ حکومت سے بھی کئے گئے، مگر عمومی چھاپ اور عمومی رجحان یہ رہا کہ صورت حال کی اصلاح انسانیت و محبت کے فروغ اور بھائی چارگی اور دوستی کے رواج ہی سے ہو سکتی ہے ؎

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

ابو الحسین قطبی

غزل

نگاہ فتنہ گر جور و ستم گر دیکھتے رہیے
اگر کھل کر نہ ممکن ہو تو چھپ کر دیکھتے رہیے

زباں سے اُف بھی مت کیجے اگر رہنا ہے گلشن میں
یوں ہی جلتے ہوئے سرو و صنوبر دیکھتے رہیے

بس اتنی ہی اجازت ہے یہاں آئینِ گلشن میں
گلوں کو دور سے بادیدۂ تر دیکھتے رہیے

ضرورت ہی نہیں اب انتظار صبح محشر کی
خود اپنے شہر میں ہر روز محشر دیکھتے رہیے

یقیں کیجے یہی ہے اب تقاضائے خرد مندی
کہ چُپ رہ کر اہنسا کا یہ منظر دیکھتے رہیے

محبت کا تو یہ دعویٰ اور ایک پتھر پہ ہی شکوہ
ابھی ہر سمت سے آئیں گے پتھر دیکھتے رہیے

جو سارے چمن والے جلا دینے کے درپے ہیں
یہ پودا ایک دن ہوگا تناور دیکھتے رہیے

یہی صحرا کہ جس کی ریت اک مدت سے ہے پیاسی
اسی کی تہہ سے نکلے گا سمندر دیکھتے رہیے

اضافہ ہی اگر ہوتا رہا یونہی تشدد میں
تو کھل جائیں گے شاہینوں کے شہپر دیکھتے رہیے

قرین مصلحت بھی ہے حسینؔ اپنی یہ خاموشی
زمانہ جو دکھائے بندہ پرور دیکھتے رہیے

سر زمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر | زعفرانی حنا

کارخانہ

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں

اشتہار

تڑپتی روح

پیاسی زمین

تقسیم ہند کے بعد مسلمانان ہند جن شدائد اور مشکلات سے دوچار ہوئے ہیں شاید یہ چیز کسی پر پوشیدہ نہ ہو، زبان و ادب، تہذیب و تمدن، جان و مال، عزت و آبرو اور خاص طور پر مذہب و شریعت سب خطرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ اسی تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے وقت کے صلحاء اور علماء نے اپنی وسعت کے مطابق دین کے تحفظ کے ذرائع اختیار کئے اور وقت کے اکابر ہر دور میں ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔

تاریخ شاہد عدل ہے کہ،

"ہماچل پردیش" ملک کا وہ خطہ ہے جو علوم دینیہ سے کوسوں دور اور جہالت میں گھرا ہوا ہے جہاں کے باشندے احکام الٰہی سے یکسر نا آشنا، ان کی روح بے چین اور وہاں کی زمین (علوم و معارف) کی پیاسی ہے۔ یہ واقعات اہل اللہ اور علماء کے لئے فکر کی چیز بنے ہوئے تھے، اس درد و کرب کو محسوس کرتے ہوئے جناب حضرت مولانا الحاج مفتی عبد العزیز صاحب رائے پوری (جو درحقیقت مدرسہ کے روح رواں اور بانی ہیں) نے ایک مرکزی تعلیم گاہ کے قیام کا فیصلہ فرمایا اور عالم اسلام کی مشہور شخصیت حضرت الحاج مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ و رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور عالی جناب الحاج امین الدین خاں گورنر ہماچل پردیش اور دیگر صلحاء وقت کے ہاتھوں "مدرسہ قادریہ" نامی کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

امید کی جاتی ہے کہ،

یہ دینی درس گاہ صوبہ کے تمام مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں دینی جذبات کو ابھارنے نیز اسلامی روح پھونکنے کا سبب ہوگی، کفر و بدعات کی ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے قندیل روشن کا کام دے گی، اس لئے تمام اہل خیر دردمندان قوم اور مسلمانان ملک سے عموماً اور صوبہ کے رہنے والوں سے خصوصاً گذارش ہے کہ وقت کی اہمیت اور فرائض کو محسوس کرتے ہوئے مدرسہ کی تعمیر میں حصہ لیں اور اپنے احباب کو بھی توجہ دلائیں کہ یہ صدقہ جاریہ ہے۔

"ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین"

خیر اندیش

احمد کبیر الدین فاران مظاہری

جملہ خط و کتابت کا پتہ:

ناظم مدرسہ قادریہ مسر والا، پوسٹ ماجرا

ضلع سرمور (ہماچل پردیش)